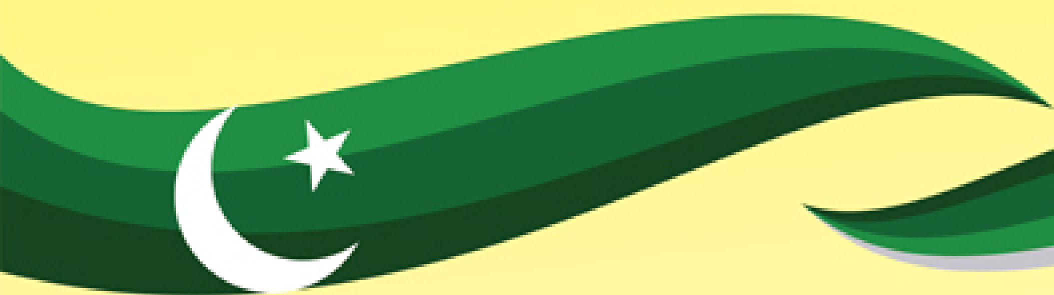


میرا پاکستان



شیخ طریقت

مولانا محمد الیاس گھمن



عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ

میرا پاکستان

شیخ طریقت
متکلم اسلام
مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ

نام کتاب .... میرا پاکستان

تالیف: .... محمد الیاس گھمن

تاریخ اشاعت .... اگست 2018ء

بار اشاعت .... اول

تعداد اشاعت 1100

ناشر .... عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ

ملنے کا پتہ

مکتبہ اہل السنت والجماعت، سرگودھا

0321-6353540

www.ahnafmedia.com

فہرست

علمائے دیوبند کا قائدانہ کردار 55

اسلامی آئین سازی 59

قراردادِ مقاصد کا متن 62

میرا پاکستان

آزادی کا تصور:

پاکستان؛ تحریک آزادی کی بدولت نعمت آزادی سے مالامال ہوا۔ پاکستانی قوم کے لیے آزادی کا تصور مغرب کے تصور آزادی سے یکسر جداگانہ ہے۔ اہل مغرب کے آزادی کے تصورات میں تنوع بھی پایا جاتا ہے اور باہم اختلاف بھی۔ لبرلائزیشن میں ہر فرد کو دینی، روایتی، سماجی، قبائلی، نسلی، گروہی، علاقائی، خاندانی، لسانی، قومی اور اخلاقی الغرض ہر قسمی ”آزادروی“ کا پورا پورا حق ہے، وہ ہر نوعیت کی آزادی کو ہر سطح پر ممکن بنا کر اس میں وسعت کی قائل ہے۔

یعنی انسان اپنے خالق حقیقی کی عبدیت، برحق نمائندہ خدا (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت سے بھی آزاد ہو سکتا ہے۔ اور وہ معاشرے میں ”جو کچھ“ بھی کرتا پھرے اس بارے میں مکمل ”آزاد“ ہے۔ اس کو خالق کی عبدیت، رسول کی اطاعت اور منشورِ انسانیت و دستورِ حیات (قرآن کریم) کا اسیر نہیں کیا جا سکتا۔

بظاہر اس تصور کی دلربائی کا حسن انسان کو اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے۔ بطور خلاصہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس تصور میں آزادی کا مفہوم فقط اتنا ہی ہے کہ ہر انسان محض اپنے عقل کے مطابق اپنی زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ ادیان میں سے دین اسلام کو اپنے لیے غلامی سے تعبیر کرتا ہے۔ جبکہ یہ سوچ ہماری اسلامی اقدار کے بھی منافی ہے اور ہماری ریاستی روایات اور آئینی قوانین کے بھی بالکل برعکس ہے۔ اسلام غلامی کی زنجیروں میں قید نہیں کرتا بلکہ غلامی سے نجات دلا کر انسان کی مکمل زندگی کو ایسا کارآمد بناتا ہے جس کا فائدہ مرنے کے بعد بھی ہمیشہ کی زندگی میں ملتا رہتا ہے۔

بد قسمتی سے آج اسی فکر کو پروان چڑھایا جا رہا ہے حتی کہ ہمارے اس آئینی،

نظریاتی، فلاحی، جمہوری اور اسلامی مملکت کے حکمران طبقے میں بھی یہ منفی سوچ سرایت کر رہی ہے۔ جو ہم سب کے لیے مشترکہ لمحہ فکریہ ہے۔

یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ہم تصورِ آزادی کے مفہوم کو بھولتے یا از خود نظر انداز کرتے جا رہے ہیں۔ حالانکہ ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے کہ جس ملک میں ہم آزادی سے سانس لے رہے ہیں اس کے حصول کا مقصد "غلبۂ دین" تھا، نہ کہ اہل اسلام کو دین سے "آزاد" کرنا۔

شرعی نقطۂ نظر سے:

اس معاملے کو اگر شرعی نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے تو بھی یہی نظر آتا ہے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر یثرب (مدینہ منورہ) تشریف لائے تو یہاں مختلف قبائل، اقوام اور مذاہب کے پیروکار موجود تھے۔ آپ نے یہاں آکر ریاستی امور کی پہلی باضابطہ "آئینی دستاویز" مرتب کرائی۔ جسے "میثاقِ مدینہ" کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ 53 دفعات پر مشتمل ایسا جامع دستور حیات ہے جس میں ریاست کی معیشت کو مستحکم کرنا، باہمی خانہ جنگی کا خاتمہ اور خارجہ پالیسی کو مضبوط تر بنانے کے لیے عسکری خود مختاری کو بنیادی قرار دیا گیا تاکہ دشمن اس کی سالمیت کو گزند پہنچانے سے باز رہے۔

اسی "میثاقِ مدینہ" میں اللہ احکم الحاکمین کی حاکمیت اعلی اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت اعلی کو اساسی اہمیت و حیثیت حاصل ہے۔ اس جامع ترین حکمت عملی......جو در حقیقت وحی الٰہی کی عملی صورت ہے......سے ہی امن کا نفاذ ممکن ہوا۔ اقوام عالم نے اس کی بدولت وہ سنہرا دور دیکھا ہے کہ امن و انصاف عوام کی دہلیز تک پہنچا، عوام کو انصاف کی دہلیز کے چکر نہیں کاٹنے پڑے۔ ہم اس ملک کے رہائشی ہیں جس کو آزادی دلانے کے لیے ہمارے اکابر نے منظم "تحریک آزادیٔ

پاکستان" چلائی۔ جس کی بدولت ہمیں آزادی حاصل بھی ہوئی لیکن بدقسمتی کہ ہم آج تحریکِ آزادی کی "روحِ آزادی" کو فراموش کر رہے ہیں۔ یاد رکھیں! "تحریک آزادئ پاکستان" کا مقصد غلبۂ دین اور نفاذ اسلام ہی تھا "لبرل تصور آزادی" نہیں۔

آزادی کا پس منظر:

آزادی کی جس کونپل نے غلامی کی سنگلاخ زمین کا سینہ چیرا، اس کی آبیاری ہمارے اسلاف و اکابرین کے خون اور پسینے سے ہوئی ہے۔ ہمارے بزرگوں کی بے مثال قربانیاں تھیں جنہوں نے اسلام اور اہل اسلام کو بچانے کی خاطر جہاں میدان کارزار میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا وہاں عقائد اسلامیہ کے تحفظ کے لیے دینی جامعات کی داغ بیل ڈالی۔ چنانچہ حکیم آفتاب حسن قریشی لکھتے ہیں:

"1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے باوجود جہاد کا سلسلہ جاری رہا انگریزوں نے انبالہ اور پٹنہ میں مجاہدین پر مقدمات چلا کر انہیں قید وبند کی سزائیں دیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف منظم تحریک چلائی اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے عیسائی مشنریوں کی پشت پناہی کی۔ اس وقت یہ علماء ہی تھے جو اسلام کے تحفظ اور احیا کے لیے میدان عمل میں اترے۔

انہوں نے مختلف جگہوں پر دینی مدارس قائم کیے اور نوجوانوں کو دین کی تعلیم دینے لگے۔ ان مدارس میں سے دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ دار العلوم سہارنپور خاص طور پر مشہور ہیں۔"

(مطالعہ پاکستان بی۔ اے (لازمی) علامہ اقبال یونیورسٹی پاکستان صفحہ 305)

تقسیم برصغیر کی المناک داستان:

مملکتِ خداداد "اسلامی جمہوریہ پاکستان" خالص نعمتِ خداوندی ہے۔ اللہ کریم نے ہمیں یہ آزاد مسلم ریاست ایسے حالات میں عطا فرمائی جب اسلام دشمن

قوتیں اہل اسلام بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے گھناؤنے منصوبوں پر عمل پیرا تھیں۔ تقسیم برصغیر کی المناک داستان جان گسل حالات میں پیش آئی۔ ہندو، سکھ اور انگریز سب مل کر ایڑی چوٹی کا زور اس بات پر لگا رہے تھے کہ مسلمان الگ آزاد مسلم ریاست حاصل نہ کر سکیں۔

ظلم کی داستان:

ظالم سامراج نے وہ کون سا ظلم تھا جو برصغیر کے مسلمانوں پر روا؛ نہ رکھا۔ ان پر لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا، ان کے محلوں، قصبوں، شہروں اور دیہاتوں کو لوٹا گیا۔ گھروں کو جلایا گیا، مساجد و مکاتب کو آگ لگائی گئی، ہزاروں بے گناہ بچیوں کی عزت کو تار تار کیا گیا۔

لٹے پٹے قافلوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے، آزادی کے متوالوں نے سولیوں پر چڑھ کر اپنا حق چھینا، کئی کڑیل جوان ارض پاک کے حصول کے لیے کارزار کی پیاسی زمین کو اپنے خون سے سیراب کرتے رہے۔

شہداء نے بہتے دریاؤں کو اپنے لہو کا خراج دیا۔ گنگا و جمنا اور راوی نے بے کسوں کے خون کی سرخ چادر اوڑھی، کئی سہاگ سسکیوں میں گم ہو گئے۔ ہزاروں بے گناہ شیر خوار بچے موت کی وادی میں رقصاں ہوئے۔ پاک گلشن کو سینچنے کے لیے جذبۂ آزادی سے سرشار لہو کی گرمائش کو حالات کے ستم ٹھنڈا نہ کر سکے۔ برصغیر کا مسلمان سمجھتا تھا کہ زندہ قوموں کے لیے غلامی سوہانِ روح ہے۔

اس کے لیے وہ ہر طرح کی ذہنی کوفت، قلبی اذیت، بے چینی، بے قراری اور درد و کرب کو ہنس کر برداشت کرتے رہے۔ برصغیر میں لگنے والی آگ بہار سے لے کر مشرقی پنجاب تک کو جھلسا رہی تھی۔ پلاسی کے میدان سے لے کر پانی پت تک اور وہاں سے کرنال تک کی سرزمین لہو لہو تھی۔

تقسیم ہند کا منصوبہ

تجارت کی غرض سے برصغیر میں برطانوی سامراج نے اپنے قدم جمائے اور دیکھتے ہی دیکھتے برصغیر کے سیاہ و سفید کے "مالک" بن بیٹھے۔ اقتصادی طور سے برصغیر کو "سونے کی چڑیا" کہا جاتا تھا۔ اس لیے اس کو لوٹنے کے لیے منظم منصوبہ بندی کی گئی، یہاں کے رہنے والوں پر ظلم و تشدد کیا گیا اور "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے اصول کو اپنا کر انہیں باہمی طور پر لڑا دیا گیا۔

جب برصغیر کے باسیوں کی تین نسلیں ظلم سہہ چکیں تو انہیں ہوش آیا اگر حالات ایسے ہی رہے تو قیامت کی صبح تک ہم محکوم، مجبور اور مظلوم بن کر زندگی گزاریں گے اس لیے برصغیر کو برطانوی سامراج سے نجات دلائی جائے۔ اس کے لیے بہت زیادہ کوششیں کی گئیں۔ منتشر قوت کو جمع کرنے کے لیے تحریکات وجود میں آئیں۔ ایک طویل محنت کے بعد برطانوی سامراج نکلنے پر مجبور ہو گیا، لیکن وہ فرار ہونے کے لیے باعزت طریقہ ڈھونڈ رہے تھے۔ انہی حالات میں انہوں نے ہندوستانیوں کو حکومتی اختیار کی منتقلی کی صورت اپنائی۔

ہندوستانیوں کو اختیارات کی منتقلی سے متعلق برطانوی وزیر اعظم کلیمنٹ ایٹلی کے بیان کے بعد جب ہندوستان میں برطانوی سامراجیت کا سورج غروب ہونے کو تھا۔ ہندوستانی مسئلے کا منطقی حل قریب نظر آ رہا تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے بنا کر بھیجا گیا۔ وہ 22مارچ1947ء کو ہندوستان پہنچ گئے۔ 24 مارچ 1947ء کو ہندوستان کے انتیسویں اور آخری گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ حلف اٹھانے کے فوراً بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کے تمام بااثر اور اہم سیاسی شخصیات سے ملاقاتوں کے سلسلے کا آغاز کیا۔

قائداعظم نے وائسرائے پر اپنا مؤقف واضح کرتے ہوئے اس بات کا اعادہ

کیا کہ وہ سندھ، بلوچستان، صوبہ سرحد، پنجاب، بنگال اور آسام کے صوبوں پر مشتمل ایک آزاد اور خود مختار پاکستان چاہتے ہیں۔ دوسری طرف کانگریسی لیڈروں نے وائسرائے ہند کو یہ عندیہ دیا کہ وہ ہندوستان کی تقسیم اس صورت میں قبول کر لیں گے جس کے تحت بنگال اور پنجاب کے صوبے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تقسیم ہوں گے اور ساتھ ہی ساتھ قیام پاکستان سے پہلے سندھ، بلوچستان، صوبہ سرحد مغربی پنجاب اور مشرقی بنگال کے عوام کی مرضی بھی معلوم کی جائے گی۔ ان ابتدائی ملاقاتوں کے بعد وائسرائے اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ متحدہ ہندوستان کی خواہش ایک ایسا خواب ہے جو کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

اس فیصلہ کن مرحلے پر وائسرائے کی ہندوستانی راہنماؤں سے بات چیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لندن سے شائع ہونے والے اخبار سنڈے ابزرور (Sunday Observer) نے لکھا:

"ان ملاقاتوں سے یقیناً وائسرائے اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ تقسیم ہی انتشار کو ختم کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔"

آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا کانگریس کا موقف جاننے کے بعد وائسرائے نے اپنی طرف سے ایک منصوبے کا بلیو پرنٹ تیار کر لیا۔ ہندوستان میں Dominion Status کی حامل دو ریاستوں کا قیام اس منصوبے کا سب سے اہم ترین مقصد تھا۔ برطانوی کابینہ کے ساتھ مزید صلاح مشورہ کرنے اور اپنے منصوبے کی حتمی منظوری حاصل کرنے کی غرض سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن 18 مئی 1947ء کو لندن کے لیے روانہ ہوئے۔ دس دن تک برطانوی کابینہ کے اجلاسوں میں ماؤنٹ بیٹن پلان کے ہر پہلو کا مکمل جائزہ لیا گیا۔ 28 مئی 1947ء کو ہندوستانی مسئلے پر وائسرائے ہند کے پلان کو آخری شکل دی گئی۔ برطانوی حکومت نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو مزید اختیارات

سے "مسلح" کر کے ہندوستان کے لیے روانہ کیا۔ 30 مئی 1947ء کو ہندوستان پہنچے۔

بروز پیر صبح 10 بجے 2 جون 1947ء کو وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں کے درمیان ایک تاریخ ساز اور نہایت ہی اہم اجلاس کا آغاز ہوا۔

اس اجلاس میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور اس کی ٹیم، قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کی ٹیم اور پنڈت جواہر لال نہرو اور اس کی ٹیم نے شرکت کی۔ جبکہ سکھوں کی طرف سے بلدیو سنگھ اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ان رہنماؤں کے سامنے اپنا منصوبہ پیش کیا۔

اگلے روز 3 جون 1947ء کو آل انڈیا کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ دونوں نے اصولی طور پر اس منصوبے کو منظور کر لیا۔ اسی روز شام کو آل انڈیا ریڈیو پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہر میجسٹی گورنمنٹ کی طرف سے اپنے منصوبے کا اعلان کیا۔ یہ وہ مبارک دن تھا جس روز سورج قیام پاکستان کی نوید لے کر طلوع ہوا تھا۔ یہ وہ مبارک دن تھا جس روز ہندوؤں اور انگریزوں نے مسلمانوں کے مطالبے کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔

9 جون 1947ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اجلاس منعقد ہوا اور کافی غور و خوص کے بعد 3 جون کو منصوبہ "As a basis for compromise" کے طور پر منظور کر لیا گیا۔ اور یہ بہ امر مجبوری کیا کیونکہ یہ بات دستاویزات سے ثابت ہو چکی ہے کہ اگر مسلم لیگ ایسا نہ کرتی تو انگریز حکومت کانگریس کے حوالے کر کے یہاں سے اپنا بوریا بستر سمیٹ لیتی۔ اور مسلمان ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیے جاتے۔ اس کے فوراً بعد آل انڈیا کانگریس نے بھی مذکورہ منصوبے کی منظوری کا اعلان کیا۔ 14 اگست 1947 کو پاکستان کی آزادی کا اعلان ہوا۔

پاکستان کا ابتدائی تصور

جون 1928ء کو مولانا عبد الماجد دریابادی رحمہ اللہ کی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی۔ تو حضرت تھانوی فرمانے لگے:

”جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو، سارے قوانین و تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکامِ شریعت کے مطابق ہو، بیت المال کا نظام قائم ہو، نظامِ زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں۔ مسلمانوں کو اس کے لیے کوشش کرنی چاہیے، دوسری قوموں کے ساتھ مل کر یہ نتائج کہاں حاصل ہو سکتے ہیں؟“

(تعمیر پاکستان، از منشی عبد الرحمان۔ ص 35)

تاریخی حقیقت و صداقت:

پاکستان کا ابتدائی تصور اور اس کے شرعی خدوخال در حقیقت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے پیش کردہ ہیں۔ مولانا عبد الماجد دریابادی مرحوم نے اپنی کتاب ”حکیم الامت“ میں لکھا ہے:

”پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی ریاست کا خیال، سب آوازیں بعد کی ہیں، پہلے پہلے اس قسم کی آوازیں یہیں تھانہ بھون میں کانوں میں پڑیں۔“

(حکیم الامت، از عبد الماجد دریابادی۔ ص 33)

اسی طرح ”نقوش و تاثرات“ اور ”اسعد الابرار“ میں بھی قریباً قریباً یہی بات درج ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے پیش کردہ تصور کے کچھ عرصہ بعد 29 دسمبر 1930ء کو علامہ محمد اقبال مرحوم نے الہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں خطبہ صدارت کے دوران اس تصور کو مزید واضح کر کے ظاہر فرمایا۔

مسلم لیگ کی حمایت

قائد اعظم کی جماعت مسلم لیگ کو ضرورت تھی کہ علماء کرام اس کے حق میں آواز بلند کریں۔ اور حصول ریاست کے لیے انتھک محنت کریں۔ چنانچہ 10 فروری 1938ء کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک تفصیلی فتویٰ (جو تنظیم المسلمین کے نام سے شائع ہو چکا ہے) جاری فرمایا۔ جبکہ اس سے پہلے دو قومی نظریے کی حمایت جھانسی الیکشن میں فرما چکے تھے۔

جھانسی الیکشن میں حمایت کے مضمرات:

جھانسی الیکشن پہلا الیکشن تھا جو مسلم لیگ کانگریس نے علیحدہ ہو کر لڑنا تھا۔ اس لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس کی حمایت فرمائی۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ جب تک مسلم لیگ؛ کانگریس کے ساتھ رہی حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ان کی حمایت نہیں فرمائی۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ شروع ہی سے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے علیحدہ ریاست اور الگ تنظیم کے حق میں تھے بلکہ اس کے زبردست محرک تھے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی اسی فکر و نظر کو بعد میں دو قومی نظریہ کا نام دیا گیا۔ گویا برصغیر میں پاکستان کی داغ بیل ڈالنے اور الگ آزاد مسلم ریاست کے لیے راہ ہموار کرنے والے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور آپ کے رفقاء کار ہیں۔

حضرت تھانوی کو اجلاس میں دعوت

23اپریل 1943ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کا انعقاد ہونا تھا جس میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ دعوت نامے میں استدعا کی گئی کہ آپ اس موقع پر تشریف لا کر اپنے ارشادات سے مجلس کو ہدایت فرمائیں تو

بہتر ہے لیکن اگر حضور تشریف نہ لا سکیں تو اپنے نمائندے کو بھیج کر مشکور فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس اجتماع کے رعب سے غیر مسلموں کے دلوں کو مسحور کر دے اور ہمارا مطالبہ پاکستان منوا دے تاکہ اسلامی سلطنت قائم ہو سکے۔

(خاتمہ السوانح، از عزیز الحسن مجذوب، ص 171)

حضرت تھانوی کا مسلم لیگ کے نام خط:

بخدمت ارکان مسلم لیگ نصرھم اللہ وانصرھم اللہ۔

السلام علیکم!

لیگ کے عزائم معلوم کر کے اس آیت پر عمل کی توفیق ہوئی: **قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالك فلیفرحوا**۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ عذر نہ ہوتا تو اس آیت پر عمل کرتا: **انفروا خفافا وثقالا**۔ لیکن عذر کے سبب اس رخصت پر عمل کی اجازت مل گئی: **لیس علی الضعفاء ولا علی المرضیٰ ولا علی الذین لا یجدون ماینفقون**۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس آیت کا شرف حاصل ہو گیا۔ اپنی دو کتابوں کا پتہ دیتا ہوں، جو ان شاء اللہ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے پیام عمل ہے ایک ''حیٰوۃ المسلمین'' شخصی اصلاح کے لیے دوسری ''صیانۃ المسلمین'' جمہوری نظام کے لیے......... نمائندہ وہ کام نہیں کر سکتا جو یہ کتابیں کر سکتی ہیں مگر شرط عمل ہے۔

جیسے اعلیٰ درجے کا ماء اللحم بوتلوں میں بھرا قیمتی ہے مگر نتیجہ خیز نہیں، یہ نفع اس وقت ظاہر ہو گا جب حلق سے اترے گا، ورنہ بدون عمل یہ سب کوششیں اس کا مصداق ہوں گی کہ نشستند و گفتند و برخاستند۔ باقی دعاء ہر حال میں خصوصا ان تاریخوں میں زیادہ اہتمام سے جاری رکھوں گا۔

حضرت تھانوی قائد اعظم کی نگاہ میں

قائد اعظم کے دل میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی بہت قدر و منزلت تھی، جس پر کئی تاریخی واقعات موجود ہیں۔

1: قائد اعظم فرماتے ہیں: "مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے جس کا علم و تقدس اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے میں تمام علماء کا علم و تقدس رکھا جائے تو اس کا پلڑا بھاری ہو گا اور وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ہیں جو ایک چھوٹے سے قصبہ میں رہتے ہیں مسلم لیگ کو ان کی حمایت کافی ہے اور کوئی موافقت کرے یا نہ کرے ہمیں پرواہ نہیں۔"

(روئیداد، مولانا شبیر علی تھانوی)

2: حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد مجلس دعوۃ الحق بمبئی کے پانچ ممبران خانقاہ تھانہ بھون تعزیت کی غرض سے تشریف لائے، وہ بتاتے ہیں کہ "ہم لوگ کچھ تبلیغ کے سلسلے میں قائد اعظم صاحب کے پاس گئے تھے دوران گفتگو قائد اعظم نے بڑے جوش سے فرمایا اس قریب زمانہ میں ہندوستان میں سب سے بڑا عالم کون گزرا ہے؟" ہمارے ذہن میں حضرت (تھانوی رحمہ اللہ) تھے، مگر ہم نے سوچا کہ نہ معلوم ان کے ذہن میں کون ہے؟

اس لیے ہم نے قائد اعظم ہی سے دریافت کیا کہ آپ ہی بتایئے؟ اس پر قائد اعظم اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئے اور ایک فائل لا کر کھول کر دکھلایا کہ "آپ لوگ پہچانتے ہیں کہ یہ تحریر کس کی ہے؟" ہم سب نے حضرت کی تحریر پہچان کر کہا کہ یہ تحریر تو حضرت (مولانا اشرف علی) تھانوی رحمہ اللہ کی ہے۔ اس پر قائد اعظم نے بڑے جوش سے کہا کہ

"ہاں! اور یہی شخص اس زمانہ کا سب سے بڑا عالم گزرا ہے اور بہت سے

کلمات حضرت کی تعریف میں کہے۔"

(بحوالہ تعمیر پاکستان، از منشی عبدالرحمان۔ ص73)

مولانا شبیر علی تھانوی قائد اعظم محمد علی جناح سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے قائد اعظم کا فرمان نقل کرتے ہیں:

"اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں بے چوں چرا اں آپ کا کہا مانوں تو میں تیار ہوں آج تک تو میں آپ سے سمجھنے کے لیے بحث بھی کیا کرتا تھا۔ لیکن آج کے بعد میں خاموش بیٹھ کر سنوں گا اور مذہبی معاملات میں جو ہدایات آپ دیں گے ان کو تسلیم کروں گا کیونکہ مجھے حضرت تھانوی پر پورا پورا اعتماد ہے کہ مذہبی معاملات میں ان کا پایہ بہت بلند ہے اور ان کی رائے درست ہوتی ہے۔"

(روئیداد از مولانا شبیر علی تھانوی ص10)

نواب جمشید علی خان کا تجزیہ:

نواب جمشید علی خان قائد اعظم کو "یارِ غار" تصور کرتے تھے۔ عموماً موسم سرما میں اپنی ہمشیرہ فاطمہ جناح کے ہمراہ نواب صاحب کے ہاں باغ پت میں تشریف لے جایا کرتے۔ نواب صاحب اپنے ایک مکتوب مورخہ 4 اپریل 1955 میں لکھتے ہیں:

"یہ بالکل حقیقت ہے کہ قائد اعظم کی تمام تر دینی تربیت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا فیضان تھا اور ان کا اسلامی شعور حضرت والا (حضرت تھانوی رحمہ اللہ) کی بدولت تھا۔ مولوی شبیر علی صاحب نے قائد اعظم کو حضرت والا کے قریب لانے میں بڑا کام کیا۔" اپنے اسی مکتوب میں چند سطور کے بعد لکھتے ہیں کہ "قائد اعظم باغ پت کے دوران قیام میں حضرت والا کا بہت خلوص اور ادب سے تذکرہ فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ قائد اعظم کو تھانہ بھون حاضر ہونے کا انتہائی شوق تھا لیکن افسوس چند در چند وجوہات کی بناء پر ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکی۔"

مسلم لیگ کی اسلامی و فکری تربیت

حصول آزادی اور قیام پاکستان کے لیے جو جماعت میدان عمل میں برسرپیکار تھی وہ مسلم لیگ تھی۔ اس جماعت کی فکری و اسلامی تربیت کے لیے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے دل میں جذبہ خیر خواہی موجزن تھا۔ چنانچہ ایک دن مولانا شبیر علی تھانوی رحمہ اللہ سے فرمانے لگے:

”میاں شبیر علی! ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جائیں گے اور جو سلطنت ملے گی وہ ان ہی لوگوں کو ملے گی جن کو آج سب فاسق و فاجر کہتے ہیں، مولویوں کو تو ملنے سے رہی۔ لہٰذا ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیے کہ یہی لوگ دین دار بن جائیں اور جو سلطنت قائم ہو وہ دین دار لوگوں کے ہاتھ میں ہو۔ تاکہ اللہ کے دین کا ہی بول بالا ہو۔“

(مقدمہ حیات امداد ص24)

قائداعظم سے علماء دیوبند کے وفود کی ملاقاتیں:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ارباب مسلم لیگ بالخصوص قائداعظم کی طرف اپنے خصوصی تربیت یافتگان کے وفود بھیجے۔ چنانچہ:

24 دسمبر 1938ء کو پٹنہ میں مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری رحمہ اللہ کی قیادت میں مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا شبیر علی تھانوی، مولانا عبدالجبار ابوہری، مولانا عبدالغنی پھول پوری اور مولانا معظم حسین امروہی رحمہم اللہ پر مشتمل پہلے وفد نے قائداعظم سے ملاقات کی۔ جس میں مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا گیا اور قائداعظم کو نماز پڑھنے کی تلقین کی گئی۔ قائداعظم نے فرمایا: ”میں گناہگار ہوں، خطاوار ہوں۔ آپ کو حق ہے کہ مجھے کہیں! میرا فرض ہے کہ اس کو سنوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا

ہوں کہ آئندہ نماز پڑھا کروں گا۔"

(روئیداد از مولانا شبیر علی تھانوی ص 5)

اس کے بعد دوسرا وفد 12 فروری 1939ء کو مولانا ظفر احمد عثمانی کی زیر قیادت دہلی پہنچا جس میں مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا شبیر علی تھانوی وغیرہ شامل تھے۔ وفد نے نہایت افہام و تفہیم کے ماحول میں قائد اعظم پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح کر دی کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے۔ اس موقع پر قائد اعظم نے فرمایا: "دنیا کے کسی مذہب میں سیاست مذہب سے الگ ہو یا نہ ہو میری سمجھ میں اب خوب آگیا ہے کہ اسلام میں سیاست مذہب سے الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے۔"

(روئیداد از مولانا شبیر علی تھانوی ص 7)

اس کے بعد بھی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے معتمد اور سفیر مولانا شبیر علی تھانوی رحمہ اللہ قائد اعظم سے مسلسل ملاقاتیں کرتے رہے چنانچہ ایک ملاقات میں قائد اعظم رحمہ اللہ نے مولانا شبیر علی تھانوی سے فرمایا:

"آپ تو کبھی تشریف لاتے ہیں اور حضرت تھانوی کی باتیں مجھے سمجھاتے ہیں۔ علماء میرے پاس بہت آئے مگر سب مجھ سے موجودہ سیاست میں بات کرتے ہیں جس سے وہ حضرات ناواقف ہیں۔ اور میں مذہب سے ناواقف ہوں۔ حضرت تھانوی نے آپ کو ایک مرتبہ بھی کسی سیاسی امر میں گفتگو کے لیے نہیں بھیجا۔ مجھے آپ کے ذریعہ خاص مذہبی معلومات ہوتی ہیں جو اور جگہ نصیب نہیں ہوتی۔ اگر آپ کو کچھ اور کہنا ہو تو بیٹھ جایئے مجھے کوئی جلدی نہیں ہے میں بڑے شوق سے سنوں گا۔"

(روئیداد از مولانا شبیر علی تھانوی ص 8،9)

تھانوی جناح خط و کتابت

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جن جامع صفات سے بکمال نوازا تھا ان میں ایک سیاسی بصیرت بھی تھی، جس کا اعتراف قائداعظم کو بھی تھا، وہ آپ سے ان امور میں مشاورت رکھتے تھے۔ حضرت تھانوی اور قائداعظم کے باہمی خط و کتابت کے چند نمونے پیش کیے جارہے ہیں جن سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کا کس قدر احترام کرتے تھے۔

بنام قائداعظم:

15 ستمبر 1938ء کو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے گفتگو کے دوران فرمایا: جس زمانہ میں مسلم لیگ اور کانگریس میں مفاہمت کی گفتگو ہو رہی تھی میں نے ایک خط مسلم لیگ کے صدر جناح صاحب کو اس مضمون کا لکھا کہ "مفاہمت میں چونکہ مسلمانوں کے امور دینیہ کی حفاظت نہایت اہم اور ضروری ہے، آپ شرعی مسائل میں اپنی رائے کو داخل نہ کریں بلکہ محققین سے پوچھ لیا کیجیے۔" اس پر انہوں نے نہایت شرافت سے جواب دیا اور اطمینان دلایا کہ "آپ کی ہدایت کے مطابق عمل کیا جائے گا۔"

(افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ، از مفتی محمد شفیع۔ ص96)

بنام حضرت تھانوی:

قائداعظم کی طرف سے مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کو ایک خط لکھا گیا، جس میں آپ لکھتے ہیں کہ "مجھ کو مظہر الدین نیز نواب زادہ لیاقت علی خان صاحب سے گفتگو کرنے کا موقع ملا اور میں یہ معلوم کرکے بہت خوش ہوا ہوں کہ آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کے مقصد اور پروگرام سے پوری ہمدردی ہے، مجھ کو آپ کا خط ملا لیکن

موجودہ متعدد مشاغل اور عدم حاضری بمبئی کے سبب آپ کو اس سے قبل جواب نہ دے سکا، چند نکات جو میرے سامنے پیش کیے گئے ہیں، میں نے ان کو بغور تحریر کر لیا ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ان سے متعلق آپ سے ضرور مشورہ کروں گا، جب وقت آئے گا۔"

(مجالس حکیم الامت، از مفتی محمد شفیع۔ ص287)

بنام قائداعظم:

مکرمی و محترمی دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

الطاف نامہ نے مسرور و ممنون اور غایت درجہ مطمئن فرمایا، دل سے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دین اسلام کی قوت کا ذریعہ بنادیں، میں بکثرت دعا میں مشغول رہتا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ واقعی جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے آپ کے بہت سے مشاغل ہیں اور بہت اہم ہیں اور میں ایک منٹ کے لیے بھی گوارا نہیں کرتا کہ ان میں کسی درجے کا بھی حرج ہو، اس بناء پر بلا تکلف عرض کرتا ہوں کہ میری معروضات کے جواب دینے کا اہتمام نہ فرمایا جائے، میں انتظار نہ کروں گا صرف اس کی اجازت دینا کافی ہو گا کہ کسی وقت کوئی مفید بات میرے ذہن میں آوے تو اس کو عرض کر دیا کروں اور وہ آپ کے پیش نظر رہے البتہ اگر میرے لائق کوئی خدمت یا مشورہ کی غرض سے کوئی استفسار ابتداء میں ذہن عالی میں آوے تو الطاف نامہ آنے کو فخر سمجھوں گا۔

(نیشنل آرکائیو اسلام آباد پاکستان، قائداعظم پیپرز فائل نمبر 1906 ص294)

حضرت تھانوی کا ایک خواب اور پیشین گوئی

جناح اسلام کے خدمت گار:

مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

ایک روز مولانا اشرف علی تھانوی نے مجھے بلایا اور فرمایا "میں خواب بہت کم دیکھتا ہوں مگر آج میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ ایک بہت بڑا مجمع ہے گویا کہ میدان حشر معلوم ہو رہا ہے۔ اس مجمع میں اولیاء، علماء اور صلحاء کرسیوں پر بیٹھے ہیں اور مسٹر محمد علی جناح بھی عربی لباس پہنے ایک کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ یہ اس مجمع میں کیسے شامل ہو گئے؟ تو مجھ سے کہا گیا کہ محمد علی جناح آج کل اسلام کی بڑی خدمت کر رہے ہیں اسی واسطے ان کو یہ درجہ دیا گیا ہے۔"

تھانوی اور جناح کا جنازہ:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے 4 جولائی 1943ء کو مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو طلب کیا اور فرمایا "1940ء کی قرارداد پاکستان کو کامیابی نصیب ہو گی۔ میرا وقت آخری ہے، میں زندہ رہتا تو ضرور کام کرتا، مشیت ایزدی یہی ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن قائم ہو، قیام پاکستان کے لیے جو کچھ ہو سکے کرنا اور اپنے مریدوں کو بھی کام کرنے پر ابھارنا۔ تم دونوں عثمانیوں میں سے ایک میرا جنازہ پڑھائے گا اور دوسرا عثمانی جناح صاحب کا جنازہ پڑھائے گا۔"

(بحوالہ "قائد اعظم کا مذہب و عقیدہ" از منشی عبد الرحمن ص۔249)

نوٹ: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا جنازہ مولانا ظفر احمد عثمانی جبکہ قائد اعظم کا علامہ شبیر احمد عثمانی نے پڑھایا۔ اور یوں حضرت تھانوی کا خواب اور پیشین گوئی دونوں سچ ثابت ہوئیں۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

دنیا بھر کے نامور لیڈروں، تحریکوں کے بانیوں اور قائدین کی نظر میں قائد اعظم کی ایمانی فراست، جذبہ حریت اور مسلسل محنت کا اعتراف کھلے لفظوں میں تاریخ کی پیشانی پر سنہرے الفاظ میں درج ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ جو تحریک پاکستان کے سرگرم لیڈر اور آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے عظیم رکن تھے، قائد اعظم محمد علی جناح کے دست وبازو بن کر الگ، آزاد مسلم ریاست کی جدوجہد میں شریک عمل تھے۔ وہ قائدِ اعظم کی جلوت وخلوت اور ان کی ایمانی وسیاسی کوششوں کو قریب سے دیکھ چکے تھے، قائد اعظم کے متعلق فرماتے ہیں:

”بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کے بعد ہندوستان نے اتنا بڑا مسلمان لیڈر پیدا نہیں کیا جس کے غیر متزلزل ایمان اور اٹل ارادے نے دس کروڑ شکست خوردہ مسلمانوں کو کامرانیوں میں بدل دیا ہو۔“

ولادت:

بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح 25 دسمبر 1876ء کو روشنیوں کے شہر کراچی میں پیدا ہوئے۔ آپ بہن بھائیوں میں سے سب سے بڑے تھے۔

خاندان:

آپ کے والد گجرات کے مالدار تاجر تھے جو کاٹھیاوار سے کراچی منتقل ہو گئے تھے۔

تعلیم:

قائد اعظم نے باقاعدہ تعلیم کراچی مشن ہائی سکول سے حاصل کی۔ 1887ء کو آپ برطانیہ میں گراہم سپنگ اینڈ ٹریڈنگ کمپنی میں کام سیکھنے کے لیے گئے۔

رشتہ ازدواج:

برطانیہ جانے سے پہلے آپ کی شادی آپ کی ایک دور کی رشتہ دار ایمی بائی سے ہوئی جو کی آپ کے برطانیہ جانے کے کچھ عرصہ بعد ہی وفات پا گئیں۔

قانون دانی:

لندن جانے کے کچھ عرصہ بعد آپ نے ملازمت چھوڑ دی اور لنکن اِن میں قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لے لیا اور 1896ء میں وہاں سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ اس وقت آپ نے سیاست میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔ انڈیا واپس آنے کے بعد آپ نے ممبئی میں وکالت شروع کی اور آپ کا شمار ان شہہ دماغ وکلاء کی صف میں ہونے لگا جو حالات کو بھانپتے بھی ہیں، ادراک بھی کرتے ہیں اور مسائل کے حل کے لیے اپنا بھرپور کردار ادا کرتے ہیں۔

جذبہ آزادی اور تحریکات میں شمولیت:

قائد اعظم کے دل میں مسلمانوں کی خود مختاری، آزادی اور الگ اسلامی ریاست کے نیک جذبات تھے۔ ان کی نظر میں آزادی کا صحیح راستہ قانونی اور آئینی ہتھیاروں کو استعمال کرنا تھا۔ اس لیے انہوں نے اس زمانے کی ان تحریکوں میں شمولیت اختیار کی جن کا فلسفہ ان کے خیالات کے مطابق تھا۔ کچھ عرصہ بعد مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ آزادی وطن اور مسلمانوں کے بنیادی حقوق کی خاطر مسلم لیگ کو اتنا منظم کیا کہ جس نے کچھ عرصہ میں دس کروڑ لوگوں کو ان کی گم شدہ متاع آزادی وخود مختاری سے مالا مال کر دیا۔

افکار و نظریات:

قائد اعظم کی زندگی تحریک آزادی کے لیے وقف تھی، وہ خود بھی اسلامی

افکار و نظریات کے حامل شخص تھے اور اپنی قوم میں بھی یہی اوصاف دیکھنا چاہتے تھے۔ یہ بات بھی مسلّم ہے کہ قوموں کی زندگی میں حقیقی اہمیت تو افکار کی ہوتی ہے اور ان تحریکات کی جو ان افکار سے پیدا ہوتی ہیں لیکن تحریکات کے روح رواں وہ افراد ہوتے ہیں جن کے اعلیٰ کردار سے وہ افکار قومی زندگی میں اثر انداز ہوتے ہیں اور اسی روشنی میں قومیں آزمائش کے صبر آزما مراحل سے گزر کر کامیابی کی بلندیوں کو چھو لیتی ہیں۔ قائد اعظم کے افکار میں سب سے بنیادی چیز قرآن کریم ہے جس میں غور و فکر کرنے کا خدائی حکم موجود ہے۔ جہاں سابقہ اقوام کی ناکامیوں کے اسباب و وجوہات کا تذکرہ واضح طور پر موجود ہے وہاں کامیابیوں کے اصول و مبادی بھی اس میں سمجھائے گئے ہیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح قرآن کریم میں غور و خوض فرماتے تھے اور مسلم قوم کی حالت زار پر درد مند قائد کی طرح خون کے آنسو روتے۔

کیسا پاکستان چاہتے تھے؟:

علمائے حق کی متواتر محنت اور قائد اعظم سے مسلسل ملاقاتوں کا اثر قائد اعظم کی تقاریر سے بھرپور طریقے سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ آزاد اسلامی ریاست کے خواہاں تھے اور اس میں اسلام کا نظام چاہتے تھے۔ چند تاریخی حقائق پیش ہیں:

- 17 فروری 1938ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اسٹریچی ہال میں فرمایا: ”مجھے اپنے اسلامی کلچر اور تہذیب سے بہت محبت ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ ہماری آنے والی نسلیں اسلامی تمدن اور فلسفہ سے بالکل بیگانہ ہو جائیں۔“
- 12 جون 1938ء کو ایک تقریب سے دوران خطاب کہا: ”مسلمانوں کے لیے پروگرام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان کے پاس 1300 برس سے ایک مکمل پروگرام موجود ہے اور وہ قرآن پاک ہے۔ قرآن پاک میں ہماری اقتصادی، تمدنی و معاشرتی اصلاح و ترقی کا سیاسی پروگرام بھی موجود ہے۔ میرا اسی

قانون الٰہیہ پر ایمان ہے اور جو میں آزادی کا طالب ہوں وہ اسی کلام الٰہی کی تعمیل ہے۔"

(ہفت روزہ انقلاب، جون 1938)

- 14 دسمبر 1942ء کو کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "پاکستان کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہے کہ پاکستان میں اللہ کے دین کا نظام قائم ہو گا۔"
- 19 مارچ 1944ء پنجاب اسٹوڈنٹس فیڈریشن لاہور کی سالانہ کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "ہمیں ہلالی پرچم کے علاوہ کوئی اور پرچم درکار نہیں۔ اسلام ہمارا رہنما ہے جو ہماری زندگی کا مکمل ضابطۂ حیات ہے۔"
- 21 نومبر 1945ء سرحد مسلم لیگ کانفرنس پشاور میں دوران خطاب فرمایا: "مسلمان؛ پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں جہاں وہ اپنے ضابطۂ حیات، اپنے تمدنی ارتقاء، روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق حکومت کر سکیں۔"
- 24 نومبر 1945ء مردان کے جلسۂ عام سے خطاب کے دوران فرمایا: "پاکستان کی آزاد مسلم مملکت کے حصول میں بھی اپنا کردار ادا کریں جہاں مسلمان اسلامی فرماں روائی کا نظریہ پیش کر سکیں گے۔"
- 26 نومبر 1946ء کو سید بدرالدین احمد کو اپنی قیام گاہ پر ایک تفصیلی انٹرویو دیا جس میں آپ نے برملا کہا: "دنیا کی تمام مشکلات کا حل اسلامی حکومت کے قیام میں ہے۔ اسی قیام کی خاطر میں لندن کی پر سکون زندگی کو رد کر کے عظیم مفکر علامہ اقبال کے اصرار پر واپس آ گیا۔ ان شاء اللہ پاکستان کے نظام حکومت کی بنیاد لا الہ الا اللہ ہی ہو گی اور اس پر ایسی فلاحی اور مثالی سٹیٹ قائم ہو گی کہ دنیا اس کی تقلید پر مجبور ہو جائے گی۔"

- 7 جولائی 1947ء کو لندن مسلم لیگ کے نام پیغام میں فرماتے ہیں: ”خدا کے فضل سے ہم دنیا میں اس نئی عظیم خود مختار اسلامی ریاست کی تعمیر مکمل اتحاد، تنظیم اور ایمان کے ساتھ کر سکیں گے۔“
- 19 دسمبر 1946ء کو مصری ریڈیو پر خطاب کے دوران فرمایا: ”ہم چاہتے ہیں کہ ایک آزاد خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنی زندگی بسر کریں اور ان تمام اقدار کا تحفظ کریں جن کا اسلام علمبردار ہے۔“
- 14 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی کے افتتاح کے موقع پر ماؤنٹ بیٹن کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ”اکبر بادشاہ نے جس فراخ دلی کا مظاہرہ کیا وہ ہمارے لیے کوئی نئی بات نہیں اس کا آغاز 1300 برس پہلے ہو گیا تھا جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے بعد نہ صرف زبانی طور پر بلکہ عملی طور پر یہودیوں اور عیسائیوں سے فراخدلانہ سلوک کیا...... مسلمانوں کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔“
- 30 اکتوبر 1947ء کو لاہور میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”اگر ہم قرآن حکیم سے رہنمائی حاصل کریں تو بالآخر فتح ہماری ہو گی۔ میرا آپ تمام لوگوں سے یہی مطالبہ ہے کہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کریں۔“
- 14 دسمبر 1947ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کونسل سے دوران خطاب فرمایا: ”میں صاف طور پر واضح کر دوں کہ پاکستان اسلامی نظریات پر مبنی ایک مملکت ہو گی۔“
- 25 جنوری 1948ء کو پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے کراچی بار ایسوسی ایشن کے استقبالیے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: میں ان لوگوں کے عزائم نہیں سمجھ سکا جو جان بوجھ کر شرارت کر رہے ہیں اور یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ

پاکستان کے آئین کی بنیاد شریعت پر نہیں ہو گی۔ ہماری زندگی پر آج بھی اسلامی اصولوں کا اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح 1300 سال پہلے ہوتا تھا۔

- 14 فروری 1948ء میں سبی دربار بلوچستان میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو قانون عطا کرنے والے پیغمبرِ اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے بنایا۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔“
- 21 فروری 1948ء کو افواج پاکستان سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ”اب آپ کو اپنے ہی وطن عزیز کی سرزمین پر اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشرتی عدل اور مساوات انسانی کے اصولوں کی پاسبانی کرنی ہے۔“

(تصور پاکستان، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد)

قرآن کریم میں غور وخوض:

عبد الرشید بٹلر جو اُن دنوں گورنر ہاؤس پشاور میں بٹلر تھے جب قائداعظم گورنر جنرل کی حیثیت سے سرحد کے دورے پر گئے اور گورنر ہاؤس پشاور میں قیام کیا۔ اس دوران عبد الرشید بٹلر نے قائداعظم کو قریب سے دیکھا وہ اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں۔ قائداعظم بیٹھے خوب کام کر رہے تھے۔ دن بھر کی مصروفیات کے باوجود انہوں نے آرام نہیں کیا۔ جب کام کرتے کرتے تھک جاتے تو کمرے میں اِدھر اُدھر جاتے۔ میں نے خود دیکھا کہ انگیٹھی (مینٹل پیس) پر رحل میں قرآن پاک رکھا ہوا ہے، اس پر ماتھا رکھ کر رو پڑتے تھے۔

عبد الرشید بٹلر اسی رات کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسی رات۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ ہر کوئی گہری نیند سو رہا تھا۔ ڈیوٹی پر موجود پولیس اپنا فرض ادا کر رہی تھی کہ اچانک ٹھک ٹھک کی آواز گورنمنٹ ہاؤس کا سناٹا چیرنے لگی۔ آواز میں

تسلسل اور ٹھہراؤ تھا۔ میں فوراً چوکس ہوا۔ یہ آواز قائداعظم کے کمرے سے آ رہی تھی۔ ہمیں خیال آیا اندر شاید کوئی چور گھس گیا ہے۔ ڈیوٹی پر موجود پولیس افسر بھی ادھر آ گئے۔ پولیس اِدھر اُدھر گھوم رہی تھی کہ اندر کس طرح جھانکا جائے؟ ایک ہلکی سی درز شیشے پر سے پردہ سرکنے سے پیدا ہو چکی تھی۔ اس سے اندر کی موومنٹ دیکھی جا سکتی تھی۔

ہم کیا دیکھتے ہیں کہ قائداعظم انگیٹھی کے قریب رکھے ہوئے قرآن حکیم پر سر جھکائے کھڑے ہیں۔ چہرہ آنسوؤں سے تر ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر قرآن حکیم کی طرف آتے ہیں اس کی کسی آیت کا مطالعہ کرنے کے بعد پھر چلنے لگتے ہیں۔ جب ان کے پاؤں لکڑی کے فرش پر پڑتے ہیں تو وہ آواز پیدا ہوتی ہے جس نے ہمیں پریشان کر رکھا تھا۔ آیت پڑھ کر ٹہلنا یعنی وہ غور کر رہے تھے کہ قرآن کیا کہتا ہے۔ اس دوران میں وہ کوئی دعا بھی مانگ رہے تھے۔

(دی گریٹ لیڈر از منیر احمد، ص239)

بعض قرآنی احکام کا اجراء:

جنرل اکبر نہایت سینئر جرنیل تھے اور قیام پاکستان کے وقت بحیثیت میجر جنرل کمانڈر فرسٹ کور تعینات ہوئے۔ جنرل اکبر 25 جون 1948ء کو وہاں پہنچے ان کی قائداعظم سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے جنرل اکبر کہتے ہیں: ”ہمارے افسروں کے سکولوں میں ضیافتوں کے وقت شراب سے جام صحت پیا جاتا ہے کیونکہ یہ افواج کی قدیم روایت ہے۔ میں نے قائداعظم سے کہا کہ شراب کے استعمال کو ممنوع کرنے کا اعلان فرمائیں۔

قائداعظم نے خاموشی سے اپنے اے ڈی سی کو بلوایا اور حکم دیا کہ ”میرا کانفیڈریشن باکس لے آؤ“ جب بکس آ گیا تو قائداعظم نے چابیوں کا گچھا اپنی جیب سے

نکال کر بکس کو کھول کر سیاہ مراکشی چمڑے سے جلد بند ایک کتاب نکالی اور اسے اس مقام سے کھولا جہاں انہوں نے نشانی رکھی ہوئی تھی اور فرمایا جنرل یہ قرآن مجید ہے اس میں لکھا ہوا ہے "شراب و منشیات حرام ہیں۔" تبادلہ خیال کے بعد سٹینو کو بلوایا گیا۔ قائداعظم نے ایک مسودہ تیار کیا، قرآنی آیات کا حوالہ دے کر فرمایا شراب و منشیات حرام ہیں۔ میں نے مسودے کی نقل لگا کر اپنے ایریا کے تمام یونٹ میں شراب نوشی بند کرنے کا حکم جاری کیا۔ جو میری ریٹائرمنٹ تک موثر رہا، میں نے قائداعظم سے عرض کیا کہ ہم نے بنیادی طور پر آپ کی تقریروں سے رہنمائی حاصل کی ہے آپ نے فرمایا: ہم مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبے سے قرآن مجید سے رہنمائی لینی چاہیے۔"

(میری آخری منزل، ص 281)

قائداعظم کی تمنا:

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: "مسلمانو! میں نے دنیا میں بہت کچھ دیکھا۔ دولت، شہرت اور عیش و عشرت کے بہت لطف اٹھائے۔ اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزاد سربلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کہ میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی اور مسلمانوں کی آزادی، تنظیم اور مدافعت میں اپنا فرض ادا کر دیا۔ میں آپ سے داد اور صلہ کا طلب گار نہیں ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مرتے دم میرا اپنا دل، میرا ایمان اور میرا ضمیر گواہی دے کہ جناح تم نے واقعی مدافعت اسلام کا حق ادا کر دیا۔ جناح تم مسلمانوں کی تنظیم، اتحاد اور حمایت کا فرض بجالائے۔ میرا خدا یہ کہے کہ بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبہ میں اسلام کو بلند رکھتے ہوئے مسلمان مرے۔"

(انقلاب لاہور 22 اکتوبر 1939)

شریعت اسلامی سے رہنمائی:

4مارچ 1946ء قائد اعظم نے شیلانگ میں خواتین کے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:”ہندو بت پرستی کے قائل ہیں، ہم نہیں ہیں۔ ہم مساوات، حریت اور بھائی چارے کے قائل ہیں جبکہ ہندو ذات پات کے بندھن میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم صرف ایک بیلٹ بکس میں اکٹھے ہو جائیں۔ آیئے اپنی کتاب مقدس قرآن حکیم اور حدیث نبوی اور اسلام کی عظیم روایات کی طرف رجوع کریں جن میں ہماری رہنمائی کے لیے ہر چیز موجود ہے۔ ہم خلوص نیت سے ان کی پیروی کریں اور اپنی عظیم کتاب قرآن کریم کا اتباع کریں......“

تو یہ الفاظ ان کے قلب کی گہرائیوں سے نکل رہے تھے اور اس جذبے کے ساتھ قائد اعظم نے مشورہ دیا......”ہر مسلمان کے پاس قرآن کریم کا ایک نسخہ ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی رہنمائی خود کر سکے۔ کیونکہ قرآن ایک مکمل ضابطہ حیات (Complete Code) ہے جو زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔“

(قائداعظم کی تقاریر، خورشید یوسفی، جلد3ص2053)

جنازہ پڑھانے کی وصیت:

قائداعظم محمد علی جناح علماء کرام کی حد درجہ عزت و تعظیم کرتے، بالخصوص جب سے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ سے تعلقات استوار ہوئے تب سے ان کے دل میں علم اور علماء کی عظمت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ تحریک آزادیٔ پاکستان میں ان علماء سے مسلسل مشاورت اور رہنمائی لیتے رہے اور علماء کرام بھی حصول آزادی اور پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لیے ہر طرح سے بھرپور کوشش کرتے رہے۔ برصغیر کے مسلمانوں میں اسلامی ریاست کے حصول کے لیے جذبۂ آزادی کی روح پھونکی۔ آپ نے بھی ان کو کسی موقع پر نظر انداز

نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ اپنی وفات سے کچھ روز قبل وزیر اعظم لیاقت علی خان کو جو ہدایات دیں ان میں اپنے جنازے کے متعلق بھی وصیت ذکر کی ہے۔

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم کو ہدایت:

بریگیڈئر نور حسین جو کہ بطور کیپٹن قائد اعظم کے اے ڈی سی تھے اور قائد اعظم کے آخری سانسوں تک ان کے ساتھ رہے، کہتے ہیں: جب وزیر اعظم لیاقت علی خان آخری ایام میں قائد اعظم سے ملنے زیارت آئے تو اس وقت قائد اعظم نہایت کمزور اور نحیف ہو چکے تھے، بستر تک محدود تھے اور انہیں جان لیوا مرض کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وزیر اعظم اور گورنر جنرل (قائد اعظم) کی ون ٹو ون ملاقات میں قائد اعظم نے نوابزادہ لیاقت علی کو کچھ ہدایات دیں جن میں یہ ہدایت بھی شامل تھی کہ میری نماز جنازہ مولانا شبیر احمد عثمانی پڑھائیں۔ چنانچہ وزیر اعظم جب قائد اعظم سے ملاقات کر کے نیچے اترے اور اے ڈی سی کے کمرے میں آئے تو انہوں نے اسی کمرے سے فون کر کے کراچی پیغام دیا کہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب سے گزارش کی جائے کہ وہ کراچی ہی میں موجود رہیں۔

(پاکستان میری محبت، صفحہ 68)

قائد اعظم کے جنازہ پر علامہ عثمانی کی تقریر:

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے قائد اعظم کا جنازہ پڑھایا جس میں تقریباً چار لاکھ افراد نے شرکت کی۔ بعد میں شرکاءِ جنازہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

قائد اعظم کی جدائی سے پاکستان کو ہی نہیں بلکہ سارے عالم اسلام کو نقصان پہنچا ہے آپ نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا اور ان پر آپ کی حکومت تھی۔ ایک مدبر کی حیثیت سے قائد اعظم محمد علی جناح اعلیٰ تر اور ناقابل موازنہ حیثیت کا انسان تھا، آپ کو دنیا کا کوئی بھی انسان خرید نہیں سکتا تھا اور کوئی بھی انسان آپ کو کسی

قانونی یا آئینی مسئلہ پر بے وقوف نہیں بنا سکتا تھا۔ قائد اعظم ایک غریب اور بے علم قوم کا رہنما تھا اور تمام دنیوی آسائشوں کو ٹھکرا کر اپنی قوم کے پامال لوگوں کی بہتری کے لیے شب وروز مصروف خدمت رہتا تھا۔

اس نے عہد اورنگ زیب کی اسلامی شوکت کی یاد تازہ کر دی تھی اور اس سرزمین کے لیے مسلمان ان تمام خدمات کے عوض جو آپ نے مسلم قوم کے لیے انجام دی تھیں آپ کے ہمیشہ خدمت گزار رہیں گے۔ قائد اعظم مجھ سے فرمایا کرتے تھے ان شاء اللہ وہ دن قریب ہے جب کراچی اسلامی ممالک کا مرکز ہو گا۔ کراچی سے لے کر انقرہ تک، کراچی سے لے کر مراکش تک، کراچی سے لے کر چین تک مسلمانوں کا ایک مضبوط بلاک بنایا جائے گا جس کی قیادت کے فرائض ان شاء اللہ تعالیٰ پاکستان ادا کرے گا۔ وہ نحیف انسان تھا لیکن وہ پہاڑوں سے ٹکرانے کی قوت رکھتا تھا۔ جب پہلے پہل انہوں نے پاکستان کا تخیل پیش کیا تو ہم میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو یہ یقین رکھتا ہو کہ پاکستان کبھی حقیقت بن سکے گا۔ لیکن اس مرد مجاہد کے استقلال، عزم، ایثار، سیاسی ذہانت اور تدبر نے خدا کے فضل و کرم سے ایک ناممکن امر کو ممکن بنا کر دکھا دیا۔ پاکستان بنا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا: مولانا! پاکستان صحیح معنوں میں ایک اسلامی جمہوریہ ملک ہو گا۔ جس میں ہر شخص کو ابھرنے اور ترقی کرنے کے مواقع حاصل ہوں گے، شریعت کا بول بالا ہو گا۔ یہی ان کی خواہش تھی یہی ان کی تمنا تھی ان کی اس آخری خواہش کو جامہ عمل پہنانا اب ہم میں سے ہر ایک مسلمان کا مذہبی فرض ہے۔ آؤ ہم خدا کے حضور میں سر نیاز جھکا کر اس امر کا عہد کریں کہ ہم پاکستان کی ترقی، استحکام، سربلندی اور ظفر مندی کے لیے قائد اعظم کے نقش قدم پر چل کر کسی قربانی سے دریغ نہ کریں گے۔

قائد اعظم محمد علی جناح ہم میں موجود نہیں ہوں گے لیکن ان کی روح ہمیشہ

ہماری رہنمائی کرتی رہے گی آپ کی ہدایات اور آپ کا جذبہ پاکستانی عوام کے دل و دماغ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے میں دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کی مغفرت فرمائے اور پاکستان کو پائندہ اور تابندہ رکھے اور پاکستانی قوم کو ان کی اس امانت کی صحیح طور پر حفاظت اور ترقی دینے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آیئے! ہم عہد کریں کہ ہم مملکت پاکستان کے وفادار بن کر رہیں گے۔ اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے اور اس مملکت خداداد کو جس مقصد کے لیے حاصل کیا گیا ہے یعنی کہ اس میں قانون خداوندی کا ہم نفاذ کر کے چھوڑیں گے، اس کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔

(خطبات عثمانی، ص۔295)

قائد کی امانت:

آپ کی زندگی کو اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قائد اعظم ہر طرح سے مسلمانوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے سرگرم تھے اور ان کے دل میں ایمانی جذبات کے ساتھ ساتھ جذبہ حریت موجزن رہتا تھا۔ طویل جدوجہد کے نتیجے میں پاکستان جیسی خوبصورت اور خود کفیل ریاست اہلیان پاکستان کے سپرد کی۔

آپ کے جانے کے بعد پاکستان کے تھکے ہارے، لٹے پٹے، دکھوں کے مارے عوام کسی قائد اعظم کا انتظار کر رہے ہیں۔ قائد اعظم تو لوٹ کر نہیں آنے لیکن ان کے بتائے ہوئے اصول ہمارے مستحکم پاکستان کے ضامن ہیں۔

عزم کریں:

اس لیے آیئے ہم سب مل کر عہد کریں کہ قائد اعظم کے افکار و نظریات اور رہنما اصولوں کی روشنی میں پاکستان کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی و خودمختاری، دفاع وطن اور وفائے وطن کے لیے ایمان، اتحاد اور تنظیم کے ساتھ آگے بڑھیں گے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ نے جب اہلیان برصغیر پر اپنا خاص کرم کا معاملہ کیا تو ان میں جذبہ ایمانی کے ساتھ ساتھ جذبہ آزادی بھی پیدا فرمایا، ہندوستان میں غوری، خلجی، تغلق، سعید، لودھی، مغلیہ، سوری اور دوبارہ مغلیہ خاندان کی سلطنت جو تقریباً 1193 سن عیسوی سے شروع ہو کر 1837ء تک پھیلی ہوئی ہے۔ تاریخ برصغیر کے مؤرخ کے سامنے محمد غوری، قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، غیاث الدین بلبن، جلال الدین فیروز خلجی، غیاث الدین تغلق، معیز الدین مبارک شاہ، ابراہیم لودھی، ظہیر الدین محمد بابر، محمد ہمایوں، شیر شاہ سوری، اورنگزیب، عالمگیر، احمد شاہ ابدالی اور بہادر شاہ ظفر ایسے نام ہیں جنہیں وہ قطعاً فراموش نہیں کر سکتا۔

اہلیان برصغیر مختلف آزمائشی مراحل سے گزرتے رہے، حاکم رہنے والی مسلم قوم جب خدا کی نافرمانیوں میں غلطاں ہوئی اور آزادی کی قدر و قیمت سے غافل ہوئی تو حکمت الہیہ کا تقاضہ یہ ہوا کہ ان کو ایک آزمائش سے دوچار کیا جائے، چنانچہ برطانیہ کے فرنگی؛ اہلیان برصغیر کی شامت اعمال کی صورت ظاہر ہونا شروع ہوئے۔

1837ء کو مغلیہ خاندان کے آخری فرمانروا بہادر شاہ ظفر کی سلطنت کا اختتام ہوا تو چند سالوں کے اندر اندر برصغیر میں برطانوی اثر و رسوخ کافی حد تک پھیل چکا تھا۔ برطانوی سامراج نے اہلیان برصغیر کو ہر طرح سے لوٹنے اور اپنا غلام بنانے کے منصوبے بنائے۔ اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے آزادی برصغیر کے حریت پسند رہنماؤں کو پابند سلاسل سے لے کر سولی تک چڑھایا، ہر ظلم و ستم ان پر روا رکھا۔ تاریخ کے صفحات آج بھی چیخ چیخ کر لارڈ کیننگ سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن تک برطانوی سامراج کی داستانِ ظلم سنا رہے ہیں۔ معاشی طور پر ہندوستان "سونے کی چڑیا" کہلاتا تھا۔ اگر اس وقت آزادی کے متوالے انقلاب انگیز تحریک نہ اٹھاتے تو برصغیر کے باسیوں کی مزید

20 نسلیں غلامی کی زنجیر میں بندھی رہتیں۔ فرنگی سامراج کو دیس نکالا دینے کے لیے ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ بن کر خود بھی چمکتا رہا اور اہلیان برصغیر میں روح آزادی کو بھی روشن کرتا رہا۔

برصغیر کی مدبر اور زیرک قیادتوں کے اذہان پر برطانوی سامراج کے انخلاء کے بعد متحدہ برصغیر کا جو نقشہ ابھر رہا تھا اس میں دو پہلو نظر آرہے تھے۔ ایک یہ کہ متحدہ برصغیر کو تقسیم در تقسیم کے عمل سے بچاتے ہوئے متحد ہی رہنا چاہیے، بین الاقوامی سطح پر رقبے اور افرادی قوت کے اعتبار سے بڑی اور مضبوط حکومت بنائی جائے تاکہ طاقت کے نشے میں بدمست طاغوتی طاقتوں کے سامنے برصغیر ناقابل تسخیر ہی رہے اور وطن کی ترقی و دفاع کے لیے ہندو اور مسلم دونوں ایک ساتھ رہیں۔ دوسرا پہلو یہ تھا کہ اہل اسلام اپنا الگ ملک حاصل کریں تاکہ آزادی کا حقیقی مقصد حاصل ہو سکے۔ اغیار کی تہذیب، کلچر سے چھٹکارا ملے۔ مسلم قوم اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کر کے اس قدر مضبوط ہو جائے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے مسخر کرنے کی جرأت نہ کرے۔ ایک ایسی خود مختار، آزاد مسلم ریاست ہو، جہاں اسلامی نظام ہو اور ترقی کی راہیں ہموار کر کے بین الاقوامی دنیا میں ایک مثال پیش کی جائے۔

دونوں آراء نیک نیتی پر مبنی تھیں، چنانچہ اس نازک موڑ پر دو راہیں جداگانہ طور پر پھوٹ پڑیں۔ بعض نے پہلی رائے کو درست جانا اور اپنایا جبکہ بعض نے دوسری رائے کو نتیجہ خیز قرار دیا اور اختیار کیا۔ اختلاف رائے کو اس تناظر میں دیکھا جائے تو کوئی بھی "مجرم" نظر نہیں آتا، کیونکہ جب اختلاف کی بنیاد دلیل پر ہو، نیک نیتی پر مبنی ہو اور اختلاف کرنے والے "صاحبِ رائے" ہوں تو وہ اختلاف مذموم نہیں ہوا کرتا۔

پہلی رائے کا نتیجہ کہ آج بھی ہندوستان میں مسلمان باقی اور محفوظ ہیں، انہیں سیاسی و مذہبی قیادت کا بلند مقام بھی حاصل ہے جبکہ دوسری رائے میں آج پاکستان جیسا

آزاد، خود مختار جمہوری اسلامی ملک موجود ہے، جو مسلمانان عالم کے لیے کسی باعث عزت و افتخار اور ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی دوسری رائے کو درست سمجھ کر، نیک نیتی کے ساتھ اور دلیل کی بنیاد پر اپنانے والوں میں ایک بہت بڑا نام علامہ محمد اقبال مرحوم کا ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی حالت زار کو دیکھتے ہوئے اقبال نے اپنے اشعار، تقریر و تحریر کے ذریعے اتنا عظیم کام کیا ہے کہ جو بہت کم ہی کسی کے حصے میں آیا ہے۔

ولادت و ابتدائی تعلیم:

آپ 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم محلہ شوالہ کی مسجد سے حاصل کی، پھر کوچہ میر حسام الدین کے ایک مکتب میں پڑھنا شروع کیا، بعد ازاں اسکاچ مشن اسکول میں داخلہ لیا۔ آپ کا بچپن فطری اصولوں کے مطابق فطرت کو سمجھنے میں گزرا۔ ابھی عمر بمشکل 16 سال ہو گی کہ علامہ اقبال مرحوم نے میٹرک پاس کی اور ڈویژن بھر میں فرسٹ آئے، تمغہ انعام میں حاصل کیا۔ اس کے بعد کی تعلیم بھی اسکاچ مشن اسکول میں حاصل کی۔ داغ شاعر سے کچھ عرصہ شاعری میں رہنمائی حاصل کی۔ 1895ء میں لاہور آ گئے اور گورنمنٹ کالج میں بی۔ اے کلاس میں داخلہ لیا، 1898ء میں بی۔ اے پاس کیا اور ایم۔ اے فلسفہ میں داخلہ لیا۔ مارچ 1899ء میں ایم۔اے کا امتحان دیا اور پنجاب بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔

محفل مشاعرہ میں شرکت:

نومبر 1899ء کی ایک شام علامہ اقبال کے چند کلاس فیلوز نے آپ کو حکیم امین الدین کے مکان پر لے آئے، جہاں محفل مشاعرہ کا اہتمام کیا گیا تھا، اقبال جب اپنی غزل کے اس شعر پر پہنچے

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

بڑے بڑے شعراء آپ کو داد دینے لگے۔ یہیں سے آپ نے شاعری میں اڑان بھری اور اس کے بعد اقبال کی مقبولیت کا دائرہ وسعت اختیار کرتا گیا۔

تصنیفی میدان میں:

ایم۔اے پاس کرنے کے بعد اقبال 13 مئی 1899ء کو اورینٹل کالج میں میکلوڈ عریبک ریڈر کی حیثیت سے متعین ہوئے اور چار سال تک یہیں رہے۔ اسی دوران انگریزی میں ایک مقالہ لکھا اور "علم الاقتصاد" کے نام سے اردو زبان میں ایک مختصر سی کتاب بھی تصنیف کی جو 1904ء میں شائع ہوئی۔

انگلستان روانگی:

اس کے بعد 25 دسمبر 1905 کو انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی ٹرنٹی کالج میں داخلہ لیا، ابھی یہاں آئے ہوئے ایک مہینے سے کچھ اوپر ہوا تھا کہ بیرسٹری کے لیے لنکنز اِن میں داخلہ لے لیا۔

جرمنی روانگی:

کچھ عرصہ بعد آپ جرمنی چلے گئے، جہاں میونخ یونیورسٹی سے آپ نے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔4نومبر 1907ء کو میونخ یونیورسٹی نے آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی۔

وطن واپسی:

جولائی 1908ء کو نتیجہ نکلا، کامیاب قرار دیے گئے۔ اس کے بعد آپ انگلستان میں مزید نہیں رُکے، وطن واپس آگئے۔جولائی 1908ء میں وطن کے لیے روانہ ہوئے۔ بمبئ سے 25 جولائی 1908ء کی رات دہلی پہنچے، اگست 1908 میں لاہور آگئے۔

وکالت اور تعلیم:

ایک ماہ بعد چیف کورٹ پنجاب میں وکالت شروع کر دی، حکومت پنجاب کی اصرار پر 10 مئی 1910ء سے گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ پڑھانا شروع کر دیا لیکن ساتھ وکالت بھی جاری رکھی۔ 31 دسمبر 1910ء کو گورنمنٹ کالج سے مستعفی ہو گئے، 1919ء سے 1932ء تک علامہ مرحوم تعلیمی شعبہ جات سے متعلق رہے۔

سیاست سے وابستگی:

اس کے بعد سیاست سے وابستہ ہوئے اور ہندوستان کو انگریز کے تسلط سے آزاد کرانے کی انتھک محنت شروع کی۔ مختلف سیاسی تنظیموں سے وابستگی کی لیکن آپ کے دل کی مراد بار آور نہ ہو سکی۔

2 جنوری 1929ء کو اقبال دہلی سے جنوبی ہند کے دورے پر روانہ ہوئے۔ وہاں الٰہیات اسلامیہ کی نئی تشکیل کے موضوع پر مدراس، میسور، بنگلور اور حیدرآباد دکن میں خطبات دیے۔ جنوری کے آخر میں لاہور واپس پہنچ گئے۔

قبلہ اول اور اقبال:

فلسطین میں اہل اسلام پر یہودیوں بڑھتے ہوئے پُر تشدّد غلبے اور خاص طور پر مسجدِ اقصیٰ پر ان کے ناپاک قبضے کے خلاف مسلمانوں کے احتجاجی جلسے ہوئے۔ ان جلسوں میں علامہ نے بھرپور شرکت کی اور قبلہ اول کے تقدس کے لیے پیش پیش رہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی 7 ستمبر 1929ء کا وہ احتجاجی جلسہ بھی ہے جو علامہ اقبال کی صدارت میں ہوا۔ علامہ اقبال نے اپنے خطبے میں فرمایا: ”یہ بات قطعاً غلط ہے کہ مسلمانوں کا ضمیر حبِّ وطن سے خالی ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ حبِّ وطن کے علاوہ مسلمانوں کے دل میں دینیت و محبّت اسلام کا جذبہ بھی برابر موجود رہتا ہے اور یہ وہی جذبہ ہے جو ملّت کے پریشان اور منتشر افراد کو اکٹھا کر دیتا ہے اور کر کے چھوڑے

گا اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔

1914ء میں انگریز مدبرّوں نے اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے لیے یہودیوں کو آلۂ کار بنایا، صہیونی تحریک کو فروغ دیا اور اپنی غرض کی تکمیل کے لیے جو ذرائع استعمال کیے ان میں ایک کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ یہودی مسجدِ اقصیٰ کے ایک حصّے کے مالکانہ تصرّف کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ انہوں نے آتشِ فساد مشتعل کر رکھی ہے۔ مسلمان، ان کی عورتیں اور بچّے بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیے جا رہے ہیں... اب حکومتِ برطانیہ نے فلسطین میں تحقیقاتِ حالات کے لیے ایک کمیشن بھیجنا منظور کیا ہے مگر میں اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کو اس پر کوئی اعتماد نہیں۔"

تاریخ ساز خطبہ الہ آباد:

29 دسمبر الہ آباد کے شہر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا۔ قائداعظم پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے ہوئے تھے۔ آپ کے ارشاد کے مطابق اس اجلاس کی صدارت علامہ مرحوم کو کرنی تھی۔ یہاں انہوں نے وہ تاریخ ساز خطبہ صدارت دیا جو " خطبہ الہٰ آباد " کے نام سے مشہور ہوا۔ اس خطبے میں پہلی مرتبہ ہندوستان کے اندر ایک آزاد مسلم ریاست کا ٹھوس اور غیر مبہم خاکہ پیش کیا گیا۔ اس کے بعد بھی کئی بار گول میز کانفرنسز ہوئیں، اقبال کو مدعو کیا گیا، آپ گئے بھی، لیکن ان کے ایجنڈے سے مطمئن نہیں ہوئے۔

جذبہ آزادی کا درس:

اقبال اپنی شاعری کے ذریعے اہلیان برصغیر میں آزای کا جذبہ پیدا کرتے رہے۔ ان کی شاعری میں جہاں معنویت، حقیقیت، تاریخیت، اسلامیت اور انسانیت ملتی ہے وہیں پر جذبہ آزادی، اہل اسلام کی عروج کے اسباب و عوامل، غلامی سے نجات پانے کے اصول اور خودی کا درس بھی ملتا ہے۔

قائد اعظم سے خط و کتابت:

برّ صغیر میں مسلم سیاسی جماعتیں سخت انتشار اور افتراق میں مبتلا تھیں۔ قائد اعظم مایوس کن صورتحال سے دلبر داشتہ ہو کر لندن جا چکے تھے، جبکہ اقبال؛ آزادی پاکستان کے خواب کی تعبیر کو پورا ہوتے دیکھ رہے تھے اس لیے قائد اعظم کو واپسی کے کئی خطوط لکھے۔ آپ کے اصرار پر قائد اعظم ہندوستان واپس آئے اور 4 مارچ 1934ء کو مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔

علامہ اقبال کے افکار:

قائد اعظم کی طرح علامہ محمد اقبال کے ذہن میں پاکستان کا جو نقشہ تھا اس میں اسلام کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ 29 دسمبر 1930ء کو الہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے فرمایا: ”بر صغیر ہندوستان میں بھانت بھانت کے لوگ اور مختلف مذاہب کے ماننے والے بستے ہیں چنانچہ مسلمان اپنے لیے مسلم انڈیا کے قیام کے مطالبے میں پورے پورے حق بجانب ہیں۔“

(Speeches and Statements Of Iqbal. Page 12)

28 مئی 1937ء کو علامہ اقبال نے قائد اعظم کو تفصیلی خط لکھا جس میں انہوں نے کہا کہ ”ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے قانون اور اسلامی شریعت میں اس مسئلے کا حل خود موجود ہے مگر شریعت کے نفاذ اور ترقی کے لیے ہندوستان میں ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستوں کے قیام کی ضرورت ہے۔“

(letters of Iqbal to Jinnah)

مقام افسوس:

واقفانِ تاریخ بر صغیر کے ہاں یہ امر کبھی مخفی نہیں رہا کہ پاکستان کی آزادی کے لیے مذہبی و سیاسی قیادتیں ہمیشہ ایک دوسرے کے لیے دست و بازو، معاون اور

معین بنی ہیں، ان کے درمیان کوئی ایسی خلیج نہیں تھی جس میں نفرت کا پوداُگ سکتا، مقام افسوس ہے کہ آج آزادی پاکستان میں علامہ اقبال مرحوم اور مذہبی قیادتوں کے مابین تصادم پیش کیا جاتا ہے۔

یک جان دو قالب:

تاریخی حقائق بتاتے ہیں کہ اقبال اور علماء "یک جان دو قالب" کے مصداق تھے، بالخصوص علماء دیوبند۔ کہ اسی مکتبہ فکر کے علماء کرام ہمیشہ بانیان پاکستان کے شانہ بشانہ کھڑے رہے۔ اس کا اعتراف جہاں قائداعظم کو تھا اسی طرح خود اقبال مرحوم کو بھی ہے، آپ نے مختلف مواقع پر اس کا کھل کا اظہار کیا۔ چند شہادتیں ملاحظہ ہوں:

علمائے دیوبند سے دلی عقیدت:

❖ دیوبند ایک ضرورت تھی، اس سے مقصود تھا ایک روایت کا تسلسل وہ روایت جس سے ہماری تعلیم کا رشتہ ماضی سے قائم ہے۔

(اقبال کے حضور)

❖ ایک بار کسی نے علامہ مرحوم سے پوچھا کہ دیوبندی کیا کوئی فرقہ ہے؟ کہا: نہیں۔ ہر معقولیت پسند دیندار کا نام "دیوبندی" ہے۔

(علماء دیوبند کا مسلک)

❖ مولوی اشرف علی تھانوی سے پوچھیئے وہ اس (مثنوی روم رحمہ اللہ) کی تفسیر کس طرح کرتے ہیں میں اس (مثنوی کی تفسیر کے) بارے میں انہی کا مقلد ہوں۔

(مقالات اقبال)

❖ میں ان (مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ) کے احترام میں کسی اور مسلمان سے پیچھے نہیں ہوں۔

(انوار اقبال)

❖ مولوی سید انور شاہ صاحب (کشمیری) سے جو دنیائے اسلام کے جید ترین محدث وقت میں سے ہیں میری خط و کتابت ہوئی۔

(انوار اقبال)

علامہ اقبال مرحوم کا وہ خط بھی ان کی باہمی محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے جو انہوں نے علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی کے نام لکھا تھا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ

مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا!

السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مجھے ماسٹر عبد اللہ صاحب سے ابھی معلوم ہوا کہ آپ انجمن خدام الدین کے جلسے میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرمائیں گے۔ میں اسے اپنی بڑی سعادت تصوّر کروں گا اگر آپ کل شام اپنے دیرینہ مخلص کے ہاں کھانا کھائیں۔ جناب کی وساطت سے حضرت مولوی حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ عثمانی حضرت مولوی بشیر احمد صاحب اور جناب مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کی خدمت میں یہ ہی التماس ہے۔ مجھے امید ہے کہ جناب اس عریضے کو شرفِ قبولیت بخشیں گے۔ آپ کو قیام گاہ سے لانے کے لیے سواری یہاں سے بھیج دی جائے گی۔

(اقبال نامہ حصہ دوم)

اقبال کی فکر عام کرنے کی ضرورت:

آج ضرورت ہے اقبال کی فکر، سوچ، مذہبی حمیت، فلسفہ آزادی کو اپنانے اور وطن عزیز کو افکار اقبال کی روشنی میں ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی۔ اقبال اپنی نوجوان نسل کو جن اوصاف کا حامل دیکھنا چاہتے تھے وہی اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے کوشش کی جائے۔

قراردادِ پاکستان

23مارچ1940ءکا یادگار دن:

یہ کوئی دو چار دنوں کی بات نہیں بلکہ آج سے پون صدی سے بھی کچھ زائد عرصہ پہلے 23مارچ 1940 کو اقبال پارک لاہور میں مسلمانان برصغیر نے ایک الگ اسلامی ریاست کی قرارداد پیش کی جو قرارداد لاہور (قرارداد پاکستان) کے نام سے تاریخ کے صفحات پر چمک رہی ہے۔ جسے اگلے ہی دن 24مارچ 1940 کو متفقہ طور پر منظور کر لیا گیا۔ اس کا اولین مقصد مسلمانان برصغیر کی اسلامی تہذیب اور نظریاتی اقدار کا تحفظ تھا۔اس قرارداد کے ذریعے پہلی مرتبہ یہ واضح طور پر اعلان کیا گیا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں، جو ایک ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ ان کا مذہب، عقیدہ اور رسم ورواج سب مسلمانوں سے الگ ہیں۔ وہ ایک الگ وطن چاہتے ہیں جہاں وہ کھل کے آزادی کے ساتھ سانس لے سکیں اور اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کر کے زندگی گزار سکیں۔

قائداعظم کا صدارتی خطاب:

قائداعظم نے اجلاس کے اختتام پر اپنے صدارتی خطاب میں کہا:

"ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف فلسفوں، سماجی رسوم اور ادبی روایات سے ہے۔ وہ نہ تو باہمی شادیاں کرتے ہیں اور نہ ہی اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا تعلق دو مختلف تہذیبوں سے ہے جو بنیادی طور پر متصادم نظریات و تصورات پر مبنی ہیں ان کا تصور حیات ایک دوسرے سے مختلف ہے اور ان کے ہیرو اور تاریخ الگ الگ ہیں ایک فریق کے ہیرو اکثر صورتوں میں دوسروں کی ناپسندیدہ شخصیتیں ہیں۔

ان کی تاریخ میں ایک فریق کی شکستیں دوسرے کی فتوحات رہی ہیں، ان دو قوموں کو اکثریت اور اقلیت کی حیثیت میں ایک ہی ریاست میں اکٹھا رہنا ملک میں بے اطمینانی کے فروغ کا باعث ہوگا۔ مسلمان ہر اعتبار سے ایک علیحدہ قوم ہیں اور انہیں اپنا وطن اپنا علاقہ اور اپنی ریاست ملنی چاہیے۔"

جہد مسلسل نے نشان منزل کو حصول منزل تک بہت جلد پہنچادیا۔ آزادی کے متوالوں نے غلامی کے بتوں کو پاش پاش کیا۔ 23مارچ1940ء کی قرارداد کو سامنے رکھتے ہوئے قائد اعظم اور آپ کے ہمراہ سربراہان تحریک آزادی نے بھرپور محنت کی۔ 7 اپریل 1946ء کو دہلی میں مسلم لیگ سے تعلق رکھنے والے اراکین لیجسلیٹو اسمبلی کا ایک تاریخی کنونشن منعقد ہوا جس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔اس موقع پر قائداعظم نے فرمایا:

برصغیر کے مسلمان ایک ایسے عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں جو ہر شعبہ زندگی خصوصاً تعلیمی، سماجی، معاشی اور سیاسی شعبوں کا احاطہ کرتا ہے اور جو محض رسومات، روحانیت اور رواجوں پر مبنی نہیں ہے اور ہندو دھرم کے فلسفہ کے بالکل متضاد ہے۔ ہندوؤں کے ذات پات پر مبنی فلسفہ نے بھارت کے 6 کروڑ انسانوں کو اچھوت بنا کر رکھ دیا ہے۔ مسلمان، عیسائی اور دوسری اقلیتیں سماجی اور معاشی طور پر انتہائی پسماندہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ ہندو ذات پات کا نظام قومیت، مساوات، جمہوریت اور اسلام کے سنہری اُصولوں کے منافی ہے۔ مسلمان اکثریتی صوبوں میں بھی اپنے مفادات کا تحفظ نہیں کر سکیں گے کیونکہ مرکز میں ہندوؤں کی بالادستی ہوگی۔ مسلمانوں کا مطالبہ یہ ہے کہ شمال مشرق میں بنگال اور آسام اور شمال مغرب میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان زونز پر مشتمل پاکستان کی آزاد اور خودمختار ریاست بنائے جائے۔ ہندوستان اور پاکستان کی اقلیتوں کے حقوق کا1940ء کی قرارداد لاہور کی روشنی میں تحفظ کیا جائے۔

1940ء سے 1947ء تک کا سات سالہ آزادی کا یہ سفر سرفروشان آزادی کے اخلاص کی دلیل ہے، لیکن افسوس ناک صورتحال یہ ہے کہ جب سے قرارداد لاہور نے پاکستان بننے کی راہ ہموار کی۔ بھارت کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا جس سے پاکستان کو نقصان نہ پہنچ رہا ہو۔

انڈیا کی آبی و معاشی جارحیت:

پاکستان اور بھارت کے درمیان 19 ستمبر 1960ء کو سندھ طاس نامی ایک معاہدہ ہوا جس پر پاکستان کے صدر ایوب خان اور بھارتی وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے دستخط کیے تھے۔ 11 دفعات پر مشتمل اس معاہدہ کے تحت دریائے جہلم، دریائے چناب اور دریائے سندھ پر پاکستان کا مکمل کنٹرول ہو گا جبکہ راوی ستلج اور بیاس بھارت کے پاس ہوں گے۔ معاہدے میں درج ہے کہ پاکستان کو ملنے والے دریاؤں پر بھارت آبی ذخائر بنا سکتا ہے نہ اس کے قدرتی بہاؤ میں تبدیلی لانے کا مجاز ہے اور یہی شرط پاکستان پر عائد ہے کہ وہ مشرقی تین دریاؤں میں ردوبدل نہ کرے جس سے بھارت کی حق تلفی ہو۔ لیکن بھارت مسلسل معاہدوں کی خلاف ورزیاں کر رہا ہے، دریائے جہلم کا پانی روک لیتا ہے تو کبھی دریائے چناب کا۔ ابھی کچھ عرصہ قبل بھارت نے پاکستان کا پانی روکنے کے لیے مختلف ڈیمز اور نہریں بنانے کی منصوبہ بندی کا اعلان کیا ہے، جس کی وجہ سے اہلیان پاکستان پانی کی قلت سے دوچار ہیں بالخصوص زراعت کا پیشہ شدید نقصان کا شکار ہے۔

پاکستان میں سی پیک کی بدولت معاشی استحکام سے بھی بھارت خوفزدہ اور اپنی گھٹیا حرکات پر اُترا ہوا ہے، پاکستان کو غیر محفوظ باور کرانے کے لیے سرجیکل اسٹرائیک، ممبئی اور اُڑی حملے، سرحدی قوانین بالخصوص فضائی حدود کی خلاف ورزیاں، مقبوضہ کشمیر میں فوجی کارروائیاں کر کے بے گناہ نہتے شہریوں کو زخمی اور شہید

کرنا اور اپنی خفیہ ایجنسیوں کے ایجنٹوں کو غیر مستحکم پاکستان بنانے کا ٹاسک دینا وغیرہ سارے ایسے زمینی حقائق ہیں جو اقوام عالم کے سامنے واضح ہیں۔

ہمارے محافظ اداروں کا روشن کردار:

اللہ تعالیٰ کے کرم کے ساتھ ساتھ درجہ اسباب میں اگرISI کے زیرک نوجوان اور افواج پاکستان کے سرفروش سپاہی نہ ہوتے تو خاکم بدہن بھارت کب کا پاکستان کو تر نوالہ سمجھ کر نگل چکا ہوتا۔

غیروں کی سنگ باری سے وہ تکلیف نہیں ہوتی جو اپنوں کی گُل باری سے ہوتی ہے۔ افسوس کہ پاکستان کو غیر مستحکم کرنے والے، دہشت گردی اور فرقہ واریت پھیلانے والے، کرپشن اور لوٹ مار کرنے والے، سرکاری اداروں اور عدلیہ کو غیر موثر بنانے والے، پارلیمنٹ کے تقدس کو روندنے والے، معاشی و اقتصادی طور پر کھوکھلا کرنے والے الغرض پاکستان کو اپنی اساسی بنیادوں سے دور کرنے والے اپنی اپنی سرگرمیوں میں سرگرم ہیں۔ اللہ اسے اندیشہ زوال سے محفوظ فرمائے۔

نشانِ منزل:

23 مارچ ہمارے جداگانہ اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے کی تجدید عہد کا دن ہے، یہ دن حصول منزل کے لیے اتحاد، تنظیم اور یقینِ محکم کا درس دیتا ہے اور نگاہ بلند، جاں پرسوز اور سخن دلنوازی کے اصولوں پر چلنے کی تلقین بھی کرتا ہے۔ آزاد اسلامی مملکت کی حفاظت اور استحکام کے لیے جدوجہد کا پیغام بھی اس میں موجود ہے۔

اس موقع پر ہمیں تحریک پاکستان کے محرکات، حصول آزادی کے لیے قربانیوں اور اس کے اساسی نظریے پر اپنے یقین کی تجدید کرنی چاہیے اور پاکستان کو حقیقی معنوں میں ایک آزاد اسلامی اور فلاحی مملکت بنانے کے لیے اپنے تمام تر صلاحیتوں بروئے کار لانے کا عزم کرنا چاہیے۔

علامہ عثمانی کی آزادی پاکستان میں جدوجہد

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی حیات کے تمام پہلوؤں پر بات کرنا مقصود نہیں صرف تحریک پاکستان میں ان کے مجاہدانہ کردار کی ایک جھلک دکھلانا مقصود ہے۔

حصول پاکستان کی خواہش:

26 دسمبر 1945ء کو دارالعلوم دیوبند کے ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

"ایک عرصہ سے عافیت نشین تھا اور میری طویل علالت و خرابی صحت کا اقتضاء بھی یہی تھا لیکن آج ملت اسلامیہ ایسی جدوجہد سے دوچار ہے اور اس کے نتائج و عواقب اس قدر اہم ہیں کہ وہ مجھے اس بیماری کی حالت میں بھی سیاست میں کھینچ لائے۔ تحریک خلافت کے بعد سے میں سیاست سے کنارہ کش ہوں۔ لیکن عرصہ دراز کی کاوشوں اور غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر حصول پاکستان کے لیے میرے خون کی ضرورت ہو تو میں اس راہ میں اپنا خون دینا باعث افتخار سمجھوں گا، اور اس سے ہر گز دریغ نہ کروں گا۔ اس ملک میں ملت اسلامیہ کا وجود وبقاء اور مسلمانوں کی باعزت زندگی قیامِ پاکستان سے وابستہ ہے میں اپنی زندگی کو کامیاب سمجھوں گا اگر اس مقصد کے حصول میں کام آجاؤں۔"

(حیات محمد علی جناح، بحوالہ تعمیر پاکستان، ص118)

مسلم لیگ کی حمایت کی وجہ:

30 دسمبر 1945ء کو میرٹھ مسلم لیگ کے خطبہ صدارت میں فرمایا:

"مدت دراز تک اس شش و پنج میں رہا اور یہی وجہ ہے خاصی تاخیر سے میں

نے مسلم لیگ کی حمایت میں قلم اٹھایا، میں نے اپنی قدرت کی حد تک مسئلہ کی نوعیت پر قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی روشنی میں غور و فکر کیا۔ اللہ سے دعائیں کی اور استخارے کیے۔ بالآخر ایک چیز میرے اطمینان اور شرح صدر کا سبب بنی۔ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کی ایک تصریح ہے جو ان کی کتاب "السیر الکبیر" میں موجود ہے۔"

(خطبات عثمانی، ص174)

پاکستان سے وابستہ امید:

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مسلم لیگ کلمہ گو مسلمانوں کی جماعت ہے، اس میں ہزار عیب سہی تاہم غیر مسلم قوموں کی نسبت تو وہ ہم سے قریب تر اور مفید تر ہے۔ اگر مسلم لیگ ناکام ہو گئی تو قوی اندیشہ ہے کہ ایک سچا اصول ہی ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے اور مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کی آواز فضائے ہندوستان میں پھر کبھی سنائی نہ دے۔

"پاکستان" ایک اصطلاحی نام ہے، یہ نام سن کر کسی کو بھی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اس خطہ میں فوراً بلا تاخیر خلافت راشدہ یا خالص قرآنی اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی، ضرورت سے زیادہ امیدیں دلانا توقعات باندھنا کسی عاقبت اندیش، حقیقت پسند کے لیے زیبا نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان ایک ایسا ابتدائی قدم ہے جو انجام کار قرآنی اصول کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومت عادلہ قائم ہونے پر کسی وقت منتہی ہو سکتا ہے۔"

(عصر جدید کلکتہ، منشور دہلی۔ 12 نومبر 1945ء)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس مقصد کے پیش نظر میں مسلم لیگ کو اس وقت کے مسلمانوں کے قومی

وسیاسی استقلال کے لیے "سفینۂ نجات" تصور کرتا ہوں۔"

(مکتوب بنام مولانا بہاء الحق قاسمی، خطبات عثمانی ص 142)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میں یہ سمجھتا ہوں کہ حکومت الٰہیہ کے حصول کے لیے پاکستان ہی زمین تیار کرے گا۔"

(مکتوب بنام بشیر الدین احمد، خطبات عثمانی ص 141)

قائداعظم پر اعتماد:

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مجھے یقین ہے کہ مسٹر جناح آج کل کی سیاست کے داؤ پیچ سے مسلمانوں میں سب سے زیادہ واقف ہے پھر وہ کسی قیمت پر خریدا جا سکتا ہے اور نہ کسی دباؤ کے سامنے سر جھکا سکتا ہے۔"

(خطبات عثمانی، مرتب پروفیسر انوار الحسن شیر کوٹی۔ ص 77)

علمائے دیوبند کا قائدانہ کردار

9 جون 1947ء ہی کو دہلی میں مشترکہ ہندوستان کی اسمبلی کے مسلم ممبران کا ایک اہم اجتماع ہوا اور اس میں شرکت کے لیے علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع کو بطور خاص مدعو کیا گیا۔

11 جون 1947ء کو علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع قائد اعظم کو پاکستان کی جنگ جیتنے کی مبارکباد دینے کے لیے ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ جونہی یہ حضرات قائد اعظم کے کمرے میں داخل ہوئے انہوں نے کھڑے ہو کر ان کا خیر مقدم کیا، مصافحہ کے بعد اپنے پاس بٹھایا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے قائد اعظم کو حصول پاکستان پر مبارک باد پیش کی تو قائد اعظم نے برملا کہا: مولانا یہ مبارک باد آپ کو ہے آپ کی ہی کوششوں سے یہ کامیابی ہوئی ہے۔

(تعمیر پاکستان، ص127)

سرحد / سلہٹ ریفرنڈم:

3 جون 1947ء کو تقسیم ہند کے منصوبے میں صوبہ سرحد اور سلہٹ میں ریفرنڈم اور عوام کی مرضی معلوم کرنے کے لیے کہا گیا اس تناظر میں قائد اعظم بہت متفکر تھے کہ یہ علاقے ہمیں کس طرح مل سکتے ہیں؟ چنانچہ مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ”قائد اعظم نے از خود فرمایا کہ مولانا مجھے تو اس وقت بڑا فکر سلہٹ اور فرنٹیر کے ریفرنڈم کا ہے اگر پاکستان اس ریفرنڈم میں ناکام رہا تو بہت بڑا نقصان ہو گا، ہم نے کہا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس ریفرنڈم میں پاکستان کامیاب ہو جائے؟ اس پر قائد اعظم آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا: سرحد پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور سلہٹ کا علاقہ بھی مشرقی پاکستان کے لیے ایسا ہی ہے۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ پاکستان اس ریفرنڈم میں

کامیاب ہو۔ ہم نے کہا کہ ہم آپ کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ان شاء اللہ پاکستان اس میں کامیاب ہو گا بشرطیکہ آپ اعلان کر دیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام جاری ہو گا اور اس کا دستور اسلامی ہو گا کیونکہ فرنٹیر اور بنگال کا مسلمان سیاسی مصالح کو نہیں جانتا وہ صرف اسلام کو جانتا ہے اور اسی کے نام پر ووٹ دے سکتا ہے۔ (قائد اعظم) کہنے لگے: مولانا! میں تو اس کا بارہا اعلان کر چکا ہوں اور جب پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی تو وہاں اسلامی دستور کے سوا اور کون سا دستور ہو سکتا ہے؟...... جو میں نے پہلے بارہا کہا ہے وہ میں آج بھی کہتا ہوں کہ پاکستان کا نظام حیات اسلامی ہو گا اور اس کا دستور کتاب و سنت کے موافق ہو گا۔ (ظفر احمد عثمانی کہتے ہیں) اس پر میں نے کہا: میں ان شاء اللہ سلہٹ کا محاذ سنبھال لوں گا اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب (عثمانی) نے فرنٹیر کے محاذ کا وعدہ کیا۔ اس پر قائد اعظم کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور کھڑے ہو کر ہم سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا: خدا آپ کو اور آپ کے ذریعہ سے پاکستان کو کامیاب کرے۔"

(روئیداد بحوالہ تعمیر پاکستان ص129)

علامہ عثمانی کے خطاب کی جھلکیاں:

سرحد ریفرنڈم کے موقع پر علامہ عثمانی کے کننگھم پارک پشاور (جناح پارک) میں مورخہ 29 جون 1947ء کو ولولہ انگیز خطاب سے چند اقتباسات:

1: جب مسٹر محمد علی جناح اور خان لیاقت علی خان نے اپیل کی کہ الیکشن میں ووٹ پاکستان کو دیے جائیں کیونکہ وہاں شریعت اسلامی کی حکومت ہو گی تو میں بھی ان کی جماعت میں شامل ہو گیا۔

یہ وقت کڑے امتحان کا ہے اسلام کو اس کفر زار میں زندہ کرنے کے لیے آپ لوگ پہلے ہی کافی قربانیاں پیش کر چکے ہیں، دشمنوں نے آپ کو مٹانے کے لیے

کافی جدوجہد کی ہے لیکن قدرت نے اسلام میں یہ خصوصیت رکھی ہے یہ دنیا سے فنا نہیں ہو سکتا۔

2: مسلم لیگ کا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کو یکجا کرنا تھا اور وہ پورا ہو گیا۔ میں کہتا ہوں کہ ایک تو رہو مگر نیک بھی بنو نیکی کے بغیر تمہارا ایکا قائم نہیں رہ سکتا۔ بہتر ہے کہ اب گمراہی کے طریقے چھوڑ دو اور غیر اسلامی حرکتیں بند کر دو۔ قرآن پاک میں آیا ہے کہ اگر تم خدا کی طرف لوٹو گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا۔

3: پاکستان میں اللہ کی غلامی ہو گی۔ رقص و سرود نہ ہو گا، شراب و کباب نہ ہو گا کیونکہ ہم صرف اپنی نیکی کی بدولت دنیا میں باقی رہ سکتے ہیں اور اپنی بدی سے مٹ سکتے ہیں، تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ مسلمان جہاں بھی تباہ ہوا ہے اپنے ہی ہاتھوں ہوا ہے اور اسے کوئی دوسرا نہیں مٹا سکتا۔

4: پاکستان کو لنگڑا کہا جاتا ہے کہ اس کا ایک پاؤں تقسیم پنجاب سے ٹوٹ گیا دوسرا تقسیم بنگال سے لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ سینکڑوں لنگڑے آدمی ہسپتالوں میں داخل ہو کر ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پاکستان کا لنگڑا پن بھی دور ہو سکتا ہے۔ لیکن سرحد تو پاکستان کا "سر" ہے۔ لنگڑا، سر کٹے پاکستان سے تو بہتر ہے۔

(خطبات عثمانی۔ ص 231 تا 235)

الحمدللہ علامہ عثمانی رحمہ اللہ کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور اس ریفرنڈم میں پاکستان کو کامیابی نصیب ہوئی اس کے بعد جب علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے قائد اعظم کو اس کی مبارکباد دی تو قائد اعظم برملا کہہ اٹھے: مولانا اس مبارکباد کے آپ مستحق ہیں جن کی مساعی سے صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہوا ہے۔

جمعۃ الوداع 27ویں رمضان 14 اگست 1947ء:

"جب 27 رمضان المبارک یعنی 14 اگست 1947ء بروز جمعۃ المبارک جشن

پاکستان منایا جانے لگا تو ملک کی سب سے بڑی مقتدر ہستی یعنی قائد اعظم محمد علی جناح گورنر جنرل پاکستان نے علماء ربانی کی تاریخی خدمات کے اعتراف کے طور پر پاکستان کے پرچم کشائی کا اعزاز علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو بخشا۔ کراچی میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اور ڈھاکہ میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے تلاوت قرآن مجید اور مختصر تقریر کے بعد اپنے متبرک ہاتھوں سے آزاد پاکستان کا پرچم آزاد فضا میں لہرا کر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کو اسلامی ممالک کی برادری میں شامل کرنے کی رسم کا افتتاح کیا۔ پاکستانی فوجوں نے پرچم پاکستان کو پہلی سلامی دی......... اور دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اسلامی سلطنت کے قیام کی جو آواز سب سے پہلے جون 1928ء میں دربار اشرفیہ سے بلند ہوئی تھی اس کے خدام نے اگست 1947ء میں اس کی رسم افتتاح ادا کی۔"

(تعمیر پاکستان، منشی عبد الرحمان ص136)

حصول وطن کے مقاصد کو سنجیدگی سے دیکھا جائے اور بانیان پاکستان کے افکار کو اگر قریب سے دیکھا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ سب مل کر ایک آزاد، خود مختار اسلامی، نظریاتی، فلاحی اور مثالی ریاست کے خواہاں تھے۔ جس کے لیے ان سب نے مل کر عزم و ہمت اور کامیابی کی ایسی لازوال داستان رقم کی کہ تا قیامت پاکستان میں پیدا ہونے والا ہر فرد ان کا احسان مند، مشکور و ممنون رہے گا۔

دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے نقشے پر ایک آزاد اسلامی جمہوری نظریاتی فلاحی مملکت پاکستان کی صورت میں بن کر ابھری، جس کے حصول اور قیام کے لیے مسلمانان برصغیر نے قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں ایک طویل اسلامی، سیاسی و جمہوری حقوق کی جنگ لڑی، یہ اُن نیک جذبوں اور پاکیزہ آرزوؤں کی انمٹ تاریخ ہے جہاں برصغیر کی کئی صدیوں پر محیط ظلمت شب کا سینہ چیر کر آزادی کا سورج طلوع ہوا۔

اسلامی آئین سازی

مجلس العلماء کا خط:

3 جون 1947ء کو جب وائسرے لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کا اختیار ہندوستانیوں کو سونپنے کے منصوبہ بنا رہا تھا انہی دنوں بعض دوراندیش مخلص مسلمانوں نے "مجلس العلماء" کی انجمن قائم کی۔ تاکہ کل کو جب ملک حاصل ہو جائے تو ملک میں اسلامی آئین اور دستور سازی کا کام کیا جا سکے۔ مجلس العلماء کے جنرل سیکرٹری شفیق احمد صدیقی صاحب نے علامہ شبیر احمد عثمانی کو ایک خط لکھا جس میں اپنا مدعیٰ ظاہر کیا اور مجلس العلماء کی صدارت کی پیش کش بھی فرمائی۔

علامہ عثمانی کا جواب:

مکرمی سلام مسنون!

عنایت نامہ ملا۔ احوال مندرجہ سے آگاہی ہوئی، آپ کا یہ جذبہ قابل قدر ہے کہ آپ اور آپ کی مجلس العلماء تاسیس پاکستان کے بعد ملک میں اسلامی آئین قائم کرنے کا عزم صادق رکھتی ہے اور اس سلسلے میں میرے تعاون کی آپ کو ضرورت اور میری قیادت کا آپ کو احساس ہے۔ بقدر امکان اس مبارک خیال میں آپ کے ساتھ ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہوں .... میں اس نظریہ (آئین اسلامی) کا دل سے حامی ہوں اور جس حد تک موقع ملے اپنی بساط کے مطابق اس بارے میں سعی کرنا اپنا فرض مذہبی سمجھتا ہوں۔ چونکہ میرا انتخاب دستور سازی اسمبلی کے لیے بھی ہو چکا ہے اس لیے میرا عزم مصمم ہے کہ وہاں پہنچ کر اپنی استطاعت کی حد تک پوری قوت کے ساتھ آواز بلند کروں خواہ کوئی پارٹی میرا ساتھ دے یا نہ دے۔ اور آخری نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ نہ صرف میرے ضمیر کی آواز ہے بلکہ مجھے یقین ہے کہ میں اس

طرح کروڑوں مسلمانوں کے صحیح جذبات اور ان کے ایمانی تقاضوں کی سچی ترجمانی کروں گا۔ اس لیے لاہور میں جو بعض علماء نے ”آئین ساز مجلس العلماء“ کے نام سے ایک جماعت قائم کی ہے اس کی شرکت میں نے منظور کرلی ہے۔

اسلامی دستور کا خاکہ:

ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین کی آمد شروع ہو چکی تھی، ان کی آباد کاری بہت بڑا انتظامی مسئلہ تھا جسے کسی صورت بھی موخر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے مجلس العلماء دو سال تک کوئی اور کام نہ کر سکی۔

مولانا محمد متین اس کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

”آباد کاری کے مسئلے کی وجہ سے دو سال تک تنظیمی صورت میں جمعیت العلماء کو کام کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ البتہ شیخ الاسلام (علامہ شبیر احمد عثمانی) مرحوم ذاتی طور پر اپنے رفقاء کی معیت میں کراچی میں بیٹھ کر کام کرتے رہے اس وقت سب سے اہم مسئلہ پاکستان میں اسلامی دستور کا تھا......... اس کام کے لیے کراچی کے چند معزز مسلمانوں کی ایک جماعت بنا کر آپ نے چند علماء کو ہندوستان سے آنے کی دعوت دی۔ جن میں حضرت سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدر آبادی (مشہور قانون دان) تھے۔ حضرت سید صاحب تو کسی عذر کے سبب اس وقت تشریف نہ لا سکے باقی تین حضرات کراچی میں جمع ہوئے۔

مئی 1948ء سے جولائی 1948ء تک ان حضرات نے ایک رجحانی خاکہ اسلامی دستور کا مرتب فرما کر وزیر اعظم اور دوسرے ذمہ داران کو دے دیا اس کے بعد پورے ملک میں اسلامی دستور کا مطالبہ کیا اور اس کے بعد دستور ساز اسمبلی کے سامنے عوام کے مطالبات پیش کرنے کے لیے مختلف سفر فرمائے جن میں مشرقی

پاکستان کے اضلاع ڈھاکہ، چاٹگام، سلہٹ، کومیلا اور میمن سنگھ وغیرہ کا دورہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔"

(اخبار انقلاب 24 مارچ 1951، بحوالہ خطبات عثمانی ص۔306)

دستوریہ پاکستان کا پہلا اجلاس:

10 اگست 1947ء کو کراچی میں غیر منقسم ہندوستان کی نومنتخب شدہ دستوریہ کا پہلا اجلاس لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے حکم پر ہوا۔ دستوریہ کے ارکان میں قائد اعظم محمد علی جناح، مسٹر ایچ ایس سہروردی، لالہ بھیم سین سچر، مسٹر اے کے فضل حق، خواجہ ناظم الدین، سردار عبدالرب نشتر اور نواب ممدوٹ وغیرہ شامل تھے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی بطور خاص اس اجلاس میں شریک ہوئے، اور آپ ہی نے اس پہلے اجلاس کا افتتاح درج ذیل آیات مبارکہ سے کیا:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر

آل عمران آیت 26

قائد اعظم؛ دستوریہ کے صدر:

11 اگست کو قائد اعظم کو دستوریہ کا صدر منتخب کیا گیا۔ 12 اگست کو اسمبلی نے شہریوں اور اقلیتوں کے بنیادی حقوق کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی، 14 اگست کو یوم آزادی کے موقع پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کراچی آئے دستوریہ پاکستان سے خطاب کیا اور ہمیشہ کے لیے اس ملک سے چلے گئے۔

اس کے بعد کافی مرتبہ اس اسلامی آئین کے عوامی مطالبہ کو مختلف جلسوں اور اجتماعات میں دہرایا گیا، اور بار بار اس کی طرف توجہ دلائی گئی کہ آئین پاکستان کو اسلام کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ چنانچہ 7 مارچ 1949ء کو وزیر اعظم خان لیاقت علی

خان نے قرارداد مقاصد پیش کی اور ایک ایک شق کی وضاحت بھی کی۔

قراردادِ مقاصد کا متن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم مطلق ہے، اور اسی نے جمہور کی وساطت سے مملکت پاکستان کو اختیارِ حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لیے نیابتاً عطا فرمایا ہے، اور چونکہ یہ اختیارِ حکمرانی ایک مقدس امانت ہے۔ لہٰذا جمہور پاکستان کی نمایندہ یہ مجلس دستور ساز فیصلہ کرتی ہے، کہ آزاد اور خود مختار مملکت پاکستان کے لیے ایک دستور مرتب کیا جائے۔

- جس کی رو سے مملکت تمام حقوق و اختیاراتِ حکمرانی، عوام کے منتخب کردہ نمایندوں کے ذریعے استعمال کرے۔
- جس میں اصول جمہوریت و حریت، مساوات و رواداری اور سماجی عدل کو، جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔
- جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے، کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر، اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول میں متعین ہیں، ترتیب دے سکیں۔
- جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے، کہ اقلیتیں آزادی کے ساتھ اپنے مذہبوں پر عقیدہ رکھ سکیں، اور ان پر عمل کر سکیں، اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔
- جس کی رو سے وہ علاقے جو اب پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں ایک وفاق بنائیں، جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ و متعینہ اختیارات کے ماتحت خود مختار ہوں۔

- جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے، اور ان حقوق میں قانون و اخلاق عامہ کے ماتحت مساوات، حیثیت و مواقع، قانون کی نظر میں برابری، سماجی، اقتصادی اور سیاسی عدل، اظہار خیال، عقیدہ، دین، عبادت اور ارتباط [میل جول اور باہمی تعلق] کی آزادی شامل ہو۔
- جس کی رو سے اقلیتوں اور پس ماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا قرار واقعی انتظام کیا جائے۔
- جس کی رو سے عدلیہ کی آزادی مکمل طور پر محفوظ ہو۔
- جس کی رو سے وفاق کے علاقوں کی حفاظت، اس کی آزادی اور اس کے جملہ حقوق کا جن میں اس کے بر و بحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں، تحفظ کیا جائے۔
- تاکہ اہل پاکستان فلاح اور خوش حالی کی زندگی بسر کر سکیں، اور اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں، اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود میں کماحقہ اضافہ کر سکیں۔

دستور ساز اسمبلی میں علامہ عثمانی کا خطاب:

اس کے صرف دو دن بعد 9 مارچ 1949ء کو علامہ شبیر احمد عثمانی نے دستور ساز اسمبلی میں ایک قرارداد مقاصد پیش کرنے پر جناب لیاقت علی خان کو مبارکباد پیش کی اور تفصیلی خطاب کیا، جو کہ ہدیہ قارئین ہے:

بعد از خطبہ مسنونہ فرمایا:

جناب صدر محترم!

قرارداد مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز آنریبل مسٹر لیاقت علی خاں صاحب نے ایوان ہذا کے سامنے پیش کی ہے، میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں، بلکہ آج اس بیسویں صدی میں (جب کہ ملحدانہ نظریات حیات کی شدید کشمکش

اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے) ایسی چیز کے پیش کرنے پر موصوف کی عزم و ہمت اور جرأت ایمانی کو مبارک باد دیتا ہوں۔

اگر غور کیا جائے تو یہ مبارک باد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں، بلکہ اس پسی ہوئی اور کچلی ہوئی روح انسانیت کی جانب سے ہے، جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص و آز اور رقیبانہ ہوس ناکیوں کے میدانِ کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔ اس کے کراہنے کی آوازیں اس قدر درد انگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگ دل قاتل بھی گھبرا اٹھتے ہیں اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو کر تھوڑی دیر کے لیے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں۔ مگر پھر علاج و دوا کی جستجو میں وہ اس لیے ناکام رہتے ہیں کہ جو مرض کا اصل سبب ہے اسی کو دوا اور اکسیر سے سوا سمجھ لیا جاتا ہے۔

یاد رکھیے، دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں کے جس جال میں پھنس چکی ہے، اس سے نکلنے کے لیے جس قدر پھڑ پھڑائے گی، اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہوتی جائے گی۔ وہ صحیح راستہ گم کر چکی ہے۔ جو راستہ اب اختیار کر رکھا ہے، اس پر جتنے زور سے بھاگے گی، وہ حقیقی فوز و فلاح کی منزل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی۔

ہمیں اپنے نظام حیات کو درست اور کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارا انجن جس لائن پر اندھا دھند چلا جا رہا ہے اسے تبدیل کریں، اور جس طرح بعض دفعہ لائن تبدیل کرتے وقت گاڑی کو کچھ پیچھے ہٹانا پڑتا ہے، ایسے ہی صحیح لائن پر آگے بڑھنے کی غرض سے ہم کو پیچھے ہٹنا پڑے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر ایک شخص کسی راستے پر بے تحاشا دوڑ رہا ہے اور ہم دیکھیں کہ چند قدم آگے بڑھنے پر وہ کسی ہلاکت کے غار میں جا پڑے گا تو ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ اسے ادھر سے پیچھے ہٹا کر صاف اور سیدھی شاہراہ پر ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

یہی حال آج دُنیا کا ہے۔ اگر ہماری اس نئی اور بے چین دنیا کو اپنے تباہ کن

مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے، تو اسے حالات کا بالکل جڑ بنیاد سے از سر نو جائزہ لینا ہو گا۔ کسی درخت کی شاخوں اور پتوں پر پانی چھڑکتے رہنا بے کار ہے، اگر اس کی جڑ جو سینکڑوں من مٹی کے نیچے دبی ہوئی ہے مضبوط نہ ہو۔

آج کے بہت سے بکھرے ہوئے مسائل خواہ ان سے آپ کو کتنی ہی دل چسپی اور شغف کیوں نہ ہو، کبھی ٹھیک طور پر سنور اور سلجھ نہیں سکتے، جب تک ان کے اصول بلکہ اصل الاصول درست نہ ہو جائیں۔ "قدامت پرستی" اور "رجعت پسندی" کے طعنوں سے نہ گھبرائیے، بلکہ کشادہ دل و دماغ کے ساتھ، ایک متجسّسِ حق کی طرح الجھی ہوئی ڈور کا سِرا پکڑنے کی کوشش کیجیے۔ جو باتیں طاقت ور اور ذی اقتدار قوموں کے زبردست پروپیگنڈے یا غیر شعوری طور پر ان کے حاکمانہ اقتدار اور مسحور کن مادی ترقیات کے زور و اثر سے بطور مسلمات عامہ، اصول موضوعہ اور مفروع عنہا صداقتوں کے (طور پر) تسلیم کر لی گئی ہیں، انھی پر تجدید فکر و نظر کی ضرورت ہے۔

اس پکے ارادے کے ساتھ کہ جس چیز پر ہم صدیوں کی کاوشوں کے نتیجے میں اعتقاد جمائے بیٹھے تھے، وضوح حق [یعنی اظہار حق] کے بعد ایک لمحے کے لیے اس پر قائم رہنا ہم جرم عظیم سمجھیں گے۔ اگر دنیا کو انسانیت کی حقیقی فلاح کے لیے کسی نتیجے پر پہنچنا ہے، تو اُسے اُن قدیم اور اٹل نظریات پر ضرور غور کرنا ہو گا، جنھیں مادی اور معاشی مسابقت کی بے تحاشا دوڑ میں بہت سی قومیں پیچھے چھوڑ آئی ہیں۔

اسے یوں خیال کیجیے کہ کتنی صدیوں تک سکون ارض کے متعلق بطلیموس کا نظریہ دُنیا پر مستولی رہا اور فیثا غورث کی آواز پر کسی نے توجہ نہ کی۔ پھر ایک وقت آیا کہ ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا ہوا وہ بیج جو فیثا غورث دبا گیا تھا، زمین کے سینے کو چاک کر کے باہر نکلا اور برگ و بار لا کر رہا۔ سچائی کا پرستار کبھی اس کی پروا نہیں کرتا کہ کسی زمانے میں یا طویل عرصے تک لوگ اس کے ماننے سے آنکھیں چرائیں گے، یا ناک

بھوں چڑھائیں گے۔ حق اکیلا رہ کر بھی حق ہی رہتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ ایک دن ضرور آئے گا، کہ جب اس کے جھٹلانے والے زمانے کے دھکے مکے کھا کر اسی کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے۔ آج وہ دن قریب آرہا ہے اور جیسا کہ آنریبل جناب لیاقت علی خاں نے فرمایا: ”روشنی کی کرنیں اُفق پر ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روز روشن کا پیش خیمہ بن رہی ہیں۔“

ضرورت ہے کہ ہم اپنے کو خفاش [چمگاڈر] صفت ثابت نہ کریں، جو دن کی روشنی کو دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی۔ پاکستان، مادیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی اور دہریت والحاد کے اندھیروں میں بھٹکی ہوئی دنیا کو روشنی کا ایک مینار دکھانا چاہتا ہے۔ یہ دنیا کے لیے کوئی چیلنج نہیں، بلکہ انسانیت کے لیے پر امن پیغام حیات و نجات ہے اور اطمینان اور خوش حالی کی راہ تلاش کرنے والوں کے لیے سہولت مہیا کرتا ہے۔ ہمارا غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ دنیا کے لیے عموماً اور پاکستان کے لیے خصوصاً کسی قسم کا نظام تجویز کرنے سے پہلے پوری قطعیت کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے کہ، اس تمام کائنات کا جس میں ہم سب اور ہماری یہ مملکت بھی شامل ہے، مالک اصلی اور حاکم حقیقی کون ہے؟ اور ہے یا نہیں؟

اب اگر ہم اس کا مالک کسی خالق الکل اور مقتدر اعلیٰ ہستی کو مانتے ہیں، جیسا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ اس ایوان کے تمام ارکان و اعضا کا یہ عقیدہ ہو گا، تو ہمارے لیے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہو گا کہ کسی مالک کی خصوصاً اس مالک علی الاطلاق کی مِلک میں ہم اسی حد تک تصرف کرنے کے مجاز ہیں، جہاں تک کہ وہ اپنی مرضی سے ہمیں اجازت دے دے۔ ملکِ غیر میں کوئی غاصبانہ تصرف ہمارے لیے جائز نہیں ہو سکتا۔ پھر ظاہر ہے کہ کسی مالک کی اجازت و مرضی کا علم اس کے بتلانے ہی سے ہو سکتا ہے۔ سو، اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہم السلام اسی لیے بھیجے اور وحی ربانی کا سلسلہ اسی لیے قائم کیا،

کہ انسانوں کو اس کی مرضی اور اجازت کے صحیح حدود معلوم کرا دیے جائیں۔ اسی نکتۂ خیال کے پیش نظر ریزولیوشن میں "اسی کے مقرر کردہ حدود کے اندر" کے الفاظ رکھے گئے ہیں اور یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جہاں سے دینی اور خالص مادی حکومتوں کی لائنیں ایک دوسرے سے الگ ہو جاتی ہیں۔

یہ نظریہ کہ "دین و مذہب کا تعلق انسان اور اس کے مالک سے ہے، بندوں کے باہمی معاملات سے اسے کچھ سروکار نہیں، نہ سیاست میں اس کا کوئی دخل ہے۔" اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ ممکن ہے دوسرے مذاہب جو آج کل دنیا میں موجود ہیں، ان کے نزدیک یہ نظریہ درست ہو اور وہ خود کسی جامع وحاوی نظام حیات سے تہی دامن ہوں، مگر جہاں تک اسلام کا تعلق ہے ایسے تصور کی اس میں کوئی گنجائش نہیں، بلکہ اس کی تمام تر تعلیمات اس باطل تصور کی دشمن ہیں۔

قائداعظم مرحوم نے 17 ستمبر 1944ء کو گاندھی جی کے نام جو خط لکھا تھا، اس میں لکھتے ہیں:

قرآن، مسلمانوں کا مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوجداری، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی، غرض کہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں۔ مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ کے امور حیات تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، جماعت کے حقوق سے لے کر فرد کے حقوق و فرائض تک، دنیوی زندگی میں جزا و سزا سے لے کر عقبیٰ کی جزا و سزا تک، ہر فعل، قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا، جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہیں تو حیات و مابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کے مطابق کہتا ہوں۔

1945ء میں قائداعظم مرحوم نے عید کا پیغام دیتے ہوئے کہا:

ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات اور اخلاقیات تک

محدود نہیں، بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین و ایمان اور قانون حیات ہے، یعنی مذہبی، معاشرتی، تجارتی، تمدنی، عسکری، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہے۔ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کو یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام پاک کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اس کا بغور مطالعہ کرے، تاکہ یہ اس کی انفرادی و اجتماعی ہدایات کا باعث ہو۔ قائداعظم نے ان خیالات و عزائم کا بار بار اظہار کیا ہے۔ کیا ایسی واضح اور مکرر تصریحات کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہے کہ سیاست و حکومت، مذہب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی، یا یہ کہ اگر آج قائداعظم زندہ ہوتے تو یہ "قراردادِ مقاصد" پیش نہیں ہو سکتی تھی۔ قرآن حکیم میں صاف صاف ارشاد ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

(سورۃ النساء آیت نمبر 65)

ترجمہ: نہیں، اے محمد، تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں، بلکہ سربسر تسلیم کر لیں۔

اور قرآن کریم مزید یہ کہتا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ

(سورۃ المائدہ آیت نمبر 44)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔

الظّٰلِمُونَ۔۔۔ وہی ظالم ہیں۔

(سورۃ البقرہ آیت 229)

الْفٰسِقُونَ...... وہ فاسق ہیں۔

(سورۃ البقرہ 99)

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام میں دینی حکومت کے معنی ''پاپائیت'' یا ''کلیسائی حکومت'' کے نہیں ہیں۔ بھلا جس بت کو قرآن نے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ترجمہ: انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے۔

(سورۃ التوبہ آیت 31)

کہہ کر توڑا ہے، کیا وہ اسی کی پرستش کو جائز رکھ سکتا ہے؟

اسلامی حکومت سے مراد وہ حکومت ہے، جو اسلام کے بتائے ہوئے اعلیٰ اور پاکیزہ اصول پر چلائی جائے۔ اس لحاظ سے وہ ایک خاص قسم کی اصولی حکومت ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کسی اصولی حکومت کو چلانا خواہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی دراصل انہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے، جو ان اصولوں کو مانتے ہوں۔ جو لوگ ان اصولوں کو نہیں مانتے، ایسی حکومت، انتظام مملکت میں ان کی خدمات تو ضرور حاصل کر سکتی ہے، مگر مملکت کی جنرل پالیسی یا کلیدی انتظام کی باگ ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتی۔

اسلامی حکومت دراصل نیابتی حکومت ہے۔ اصل حاکم خدا ہے۔ انسان زمین پر اس کا خلیفہ ہے، جو حکومت در حکومت کے اصول پر دوسرے مذہبی فرائض کی طرح نیابت کی ذمہ داریوں کو بھی خدا کی مقرر کردہ حدود کے اندر پورا کرتا ہے۔ مکمل اسلامی حکومت، حکومت راشدہ ہوتی ہے۔ لفظ 'رشد' حکومت کے انتہائی اعلیٰ معیارِ حسن و خوبی کو ظاہر کرتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت، حکومت کے کارکن، اور مملکت کے عوام کو نیکوکار ہونا چاہیے۔ قرآن نے حکومتِ اسلامی کی یہی غرض و غایت قرار دی ہے، کہ وہ انسانوں کو اپنے دائرۂ اقتدار میں نیکیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ اسلام آج کل کی سرمایہ پرستی کے خلاف ہے۔ اسلامی حکومت اپنے خاص طریقوں سے جو اشتراکی طریقوں سے الگ ہیں، جمع شدہ سرمایے کی

مناسب تقسیم کا حکم دیتی ہے، اس کو دائر و سائر رکھنا چاہتی ہے۔ مگر اس کام کو اخلاقی، نیز قانونی طریقے پر عام خوش دلی، عدل، اور اعتدال کے ساتھ کرتی ہے۔

اسلامی حکومت شخصی ملکیت کی نفی نہیں کرتی۔ مناسب حد تک "راس المال" رکھنے کی اجازت دیتی ہے۔ زائد سرمایے کے لیے ملّی بیت المال قائم کرتی ہے۔ جس میں سب کے حقوق مشترک ہیں اور اس سرمایے کی تقسیم سے سرمایے اور افلاس کے درمیان توازن اور اعتدال کو بحال رکھتی ہے۔

"شوریٰ" اسلامی حکومت کی اصل ہے:

وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ

(سورۃ الشوریٰ آیت نمبر 38)

اسلامی حکومت دنیا میں پہلا ادارہ ہے، جس نے شہنشاہیت کو ختم کر کے استصواب رائے عامہ کا اصول جاری کیا، اور بادشاہ کی جگہ عوام کے انتخاب کردہ امام (سربراہ ریاست) کو حکومت عطا کی۔ محض توریث [وراثت] یا جبر و استبداد کے راستوں سے بادشاہ بن بیٹھنا اسلام کے منشا کے سراسر خلاف ہے۔ وہ جمہور کی مرضی اور انہی کے ہاتھوں سے اسٹیٹ کو اختیار دلاتا ہے۔

ہاں! انہیں یہ حق نہیں دیتا کہ وہ امارت کی کوئی تنظیم نہ کریں اور اقتدار اپنے ہی پاس روک کر انتشار، ابتری اور طوائف الملوکی پھیلا دیں۔ یہ اولیت کا ایسا شرف ہے، جو اسلامی حکومت کو دنیا کی تمام جمہوریتوں پر حاصل ہے۔

اسلامی سلطنت کا بلند ترین منتہائے خیال یہ ہے کہ سلطنت کی بنا جغرافیائی، نسلی، قومی، حرفتی، اور طبقاتی قیود سے بالاتر ہو کر انسانیت اور ان اعلیٰ اصولوں پر ہو، جن کی تشیید و ترویج کے لیے وہ قائم کی جاتی ہے۔

اسلامی حکومت پہلی حکومت ہے، جس نے اس منتہائے خیال کو پورا کرنے

کے لیے اپنی خلافت راشدہ کی بنیاد انسانیت پر رکھی۔ یہ حکومت اپنے کاموں میں رائے عامہ، مساوات حقوق، آزادیِ ضمیر، اور سادگی کا امکانی حد تک خیال رکھتی ہے۔

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اپنے قلمرو میں بسنے والے تمام غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوئے ہوں (ان کے) جان، مال، آبرو، مذہبی آزادی اور عام شہری حقوق کی پوری حفاظت کرے۔ اگر کوئی طاقت ان کے جان و مال وغیرہ پر دست درازی کرے تو حکومت اس سے جنگ کرے، اور ان (غیر مسلم شہریوں) پر کوئی ایسا بار نہ ڈالے، جو ان کے لیے ناقابل تحمل ہو۔ جو ملک صلحاً حاصل ہوا ہو، وہاں کے غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوئے ہوں، ان کی پوری پوری پابندی کی جائے۔

پھر غیر مسلموں کے یہ حقوق محض اکثریت کے رحم و کرم پر نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا عائد کیا ہوا ایک فرض ہے، جس سے کسی وقت بھی انحراف جائز نہیں۔ اس کے بعد دینی حکومت کی مزعومہ خرابیوں کا جہاں تک تعلق ہے، جواب میں اتنا کہنا کافی ہو گا کہ علم و تحقیق کی روشنی میں موجودہ ترقی یافتہ حکومتوں کے طور طریقوں کو خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے بے داغ عہد حکومت کے مقابلے میں رکھ کر مفاد عامہ کے لحاظ سے وزن کر لیا جائے۔

آج ظلم و جبر، عہد شکنی، مالی دست برد، کشت و خون، بربادی و ہلاکت، انسانی جماعتوں کی باہمی دشمنی، افراد کی عدم مساوات اور جمہور کے حقوق کی پامالی کی جو مثالیں دور بین سے دیکھے بغیر صاف نظر آرہی ہیں، خلفاء (راشدین رضی اللہ عنہم) کے ترقی یافتہ عہد میں اس کا خفیف سا نشان بھی نہ ملے گا۔ غرض یہ کہ بیان کردہ خرابیاں اسلامی حکومت کی خرابیاں نہیں ہیں، بلکہ ان انسانی گمراہیوں سے اخذ کی گئی ہیں، جنہوں نے خالص مادی طرز حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ گاندھی جی نے اسی نکتے کی طرف اشارہ کیا تھا، جب

1937ء میں آپ نے کانگرسی وزرا کو یہ ہدایات دیں کہ: 'تم ابو بکر (رضی اللہ عنہ) اور عمر (رضی اللہ عنہ) کی سی حکومت قائم کرو، نیز قائد اعظم مرحوم نے دستور کی اسی اساس کی طرف اشارہ کیا تھا، جب 1943ء میں بمقام جالندھر، آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ: "میرے خیال میں مسلمانوں کا طرزِ حکومت آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن حکیم نے فیصلہ کر دیا تھا"۔

قائد اعظم نے نومبر 1945ء میں پیر صاحب مانکی شریف کے نام جو خط لکھا، اس میں صاف صاف لکھ دیا تھا کہ:

"اس بات کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ قانون ساز اسمبلی، جس میں بہت زیادہ اکثریت مسلمانوں کی ہو گی، مسلمانوں کے لیے ایسے قانون بنا سکے گی جو اسلامی قانون کے خلاف ہو اور نہ پاکستانی غیر اسلامی قانون پر عمل کر سکیں گے۔"

اس قسم کے اعلانات قیام پاکستان سے پہلے قائد اعظم اور دوسرے زعماء (مسلم) لیگ کی طرف سے برابر ہوتے رہے، جن کا بخوف طوالت ہم استیعاب نہیں کر سکتے۔ بہر حال! ان بیانات کے پڑھنے کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کو ہمارے مقصد اور مطمح نظر کو سمجھنے میں کوئی ابہام واشتباہ نہیں رہ سکتا، اور جس قدر باتیں آئین و نظام اسلامی کے متعلق بطور اعتراض آج کہی جا رہی ہیں، ان سب کے سوچنے کا وقت وہ تھا جب پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلانات کیے جا رہے تھے۔

جب یہ سب کچھ جان کر اور سمجھ کر دوسری قوم نے تقسیم ہند کے فیصلے پر دستخط کیے اور پاکستان کی اقلیت نے ان مقاصد کو مانتے ہوئے ہمارے ساتھ اشتراک عمل کیا۔ اب پاکستان قائم ہونے کے بعد اس نقطۂ نظر سے انحراف کی کوئی وجۂ جواز ان کے پاس موجود نہیں۔

انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ انڈین یونین کا قیام تو ہندو اور نیشنلسٹ مسلمانوں

کی مخلوط مساعی سے عمل میں آیا ہے۔ لیکن پاکستان کا حصول خالص مسلم قوم کی مساعی اور قربانیوں کا رہین منت ہے، اور ان کی قومی خصائص و ممیزات کے تحفظ کا داعیہ اس کا محرک ہوا ہے۔ اب اگر ایسی سیدھی اور صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے تو اس کا کچھ علاج ہمارے پاس نہیں۔ اس موقع پر یہ بات بھی فراموش نہ کیجیے کہ آج دنیا میں معاشی اختلال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت (کمیونزم) کا سیلاب ہر طرف سے بڑھتا چلا آرہا ہے۔ اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔

اگر ہم پاکستان یا عالم اسلام کو اس بھیانک خطرے سے بچانا چاہتے ہیں، تو اس کی واحد صورت یہی ہے کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا اعلان و آغاز کریں، اور تمام اسلامی ممالک کو اسلام کے نام پر اسی کی دعوت دیں۔ اگر اس طرح تمام اسلامی ممالک آئینی طور پر متحدہ ہوگئے تو قدرتی طور پر وہ وحدت اسلامی قائم ہو جائے گی، جس کی ہم سب مدت سے آرزو رکھتے ہیں، اور جو اشتراکیت اور سرمایہ پرستی دونوں کی روک تھام کے لیے مضبوط آہنی دیوار کا کام دے گی۔

بہت سے لوگوں کو یہ خیال گزرتا ہے کہ ابھی تک ہمارا کاروبار جس ڈگر پر چل رہا ہے، اسلام اور اسلامی آئین کا اعلان کر کے ہم اسے ایک دم کیسے بدل سکتے ہیں؟ یہ تو ہمارے اجتماعی حالات میں ایسا انقلاب عظیم ہو گا جو ہماری قومی زندگی کی کایاپلٹ کرر کھ دے گا، اور جس کے لیے ہمیں جدید کانسٹی ٹیوشن کے چلانے کے لیے کثیر تعداد میں مناسب رجال کار تیار کرنے پڑیں گے، اور (اس کے لیے) بہت طویل عرصہ درکار ہو گا۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے، لیکن اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے بھی اسے بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اسلامی آئین و نظام کے اعلان سے غرض یہ ہے کہ مملکت کا اصلی نصب العین اور اس کی انتہائی منزل

مقصود واضح اور مستحضر ہو جائے، تاکہ اس کی روشنی میں ہمارا جو قدم اٹھے، وہ ہم کو آخری منزل سے قریب تر کرنے والا ہو۔ یہ کام ظاہر ہے کہ بتدریج ہو گا اور بتدریج ہی ہو سکتا ہے۔ جو کام فی الحال کیے جاسکتے ہیں، وہ فوراً کرنے ہوں گے، اور جن کاموں کے لیے سر دست حالات ساز گار نہیں ہیں وہ فوراً نفاذ پذیر نہ ہوں گے، بلکہ حکیمانہ اسلوب پر حالات کو ساز گار بنانے کی ہر امکانی کوشش عمل میں لائی جائے گی۔

بہر حال انسان اسی چیز کا مکلف ہے، جس کی وہ استطاعت رکھتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو میں تقسیم سے قبل اپنے مختلف بیانات و خطبات میں کھول کر کہہ چکا ہوں۔ چنانچہ خطبہ لاہور میں، میں نے عرض کیا تھا کہ: 'جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بہ تدریج پھیلتی ہے، یا جس طرح ایک پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے، دفعةً وبَغْتَةً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا، اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور ہماری مکمل ترین آزادی کے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم اٹھائے گا۔

جناب صدر محترم!

آخر میں ایوان ہذا کے معزز ممبران کی خدمت میں، میں عرض کروں گا، کہ اس ڈھیلے ڈھالے ریزولیوشن سے گھبرانے اور وحشت کھانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اسلامی فرقوں کے اختلافات تحریک پاکستان کی برکت سے بہت کم ہو چکے ہیں، اور اگرچہ کچھ باقی ہیں تو ان شاء اللہ برادرانہ مفاہمت سے صاف ہو جائیں گے۔ کیونکہ تمام اسلامی فرقے اور ملک، آج اسلامی نظام کی ضرورت کو بہت شدت کے ساتھ محسوس کر رہے ہیں۔ اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے غیر مسلم دوست بھی اگر ایک مرتبہ تھوڑا سا تجربہ کر کے دیکھ لیں گے، تو اگلی اور پچھلی سب تلخیاں بھول جائیں گے اور بہت مطمئن رہیں گے، بلکہ فخر کریں گے کہ ہم سب پاکستانیوں نے مل کر عام ہیجان اور

اضطراب کے زمانے میں انسانیت عامہ کی اس قدر عظیم الشان خدمت انجام دی۔

اب بڑا اہم کام ہمارے سامنے یہ ہے کہ دستور سازی کی مہم ایسے قابل، فہیم، مضبوط اور محتاط ہاتھوں کے سپرد ہو، جو اس ریزولیوشن کے خاص خاص نکتوں کی حفاظت کر سکیں، اس کے فحویٰ (مفہوم) کو بخوبی سمجھ سکیں، اور جو دستور تیار کیا جائے وہ صحیح لائن سے ہٹنے نہ پائے۔ یہ بہت کٹھن مرحلہ ہے، جو اللہ ہی کی توفیق سے آسان ہو گا۔ بہر حال ہم آئندہ کام کرنے میں ہر قدم پر اس چیز کے منتظر رہیں گے۔

قرارداد کی منظوری:

دستور ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد پر خوب بحث و تمحیص ہوئی، تائید اور تردید میں بہت کچھ کہا سنا گیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی تقریر نے وہاں پر موجود ارکان کے اذہان کو اس طرح مسخر کیا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ مذہب و سیاست کو جدا جدا سمجھنے والے بھی اس کے معترف ہو گئے کہ قرارداد مقاصد اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کی اولین ضرورت ہے۔ چنانچہ 12 مارچ 1949ء کو طویل بحث مباحثہ کے بعد جس میں حزب مخالف کے ہندو ممبران نے قدم قدم پر رکاوٹ ڈالی۔ مجلس دستور ساز پاکستان نے وزیر اعظم پاکستان کی پیش کردہ تجویز قرارداد مقاصد منظور کر لی۔ وزیر اعظم لیاقت علی خان نے حزب مخالف کے مباحثوں کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"دنیا مادیت کا شکار ہے اور ہم پاکستان میں ایک ایسے معاشرے کو جنم دینا چاہتے ہیں جو انسانیت کے لیے مشعل راہ ہو اور ہم ان شاء اللہ اس "قرارداد مقاصد" کے مضمرات کو عملی صورت دینے کی پوری کوشش کریں گے۔"

(اخبار زمیندار 13 مارچ 1949ء)

نوٹ: قرارداد مقاصد کو صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم نے آئین پاکستان کا باضابطہ حصہ قرار دیا۔

پاکستان کے لیے بنیادی اصول:

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے پاکستان کی غرض و غایت کے چند بنیادی اصول مرتب کیے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ساری ملت اسلامیہ متحد و یک جان ہو کر اپنی قدرت کی آخری حد تک وہ قوت فراہم کرے جس سے ابلیس کے لشکروں کے حوصلے پست ہو جائیں، ظاہر ہے کہ اس چیز کی تکمیل و انصرام موقوف ہے اس پر کہ ہماری سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان پہلے اپنے قیام کی اصلی غرض وغایت اور بنیادی اصول کو سمجھ لے جو ہمارے نزدیک حسب ذیل ہونے چاہییں:

1: اللہ تعالیٰ کو سارے ملک کا مالک اصلی اور حاکم حقیقی مانتے ہوئے اس کے نائب امین کی حیثیت سے اسی کی مقرر کردہ حدود کے اندر پوری مسؤلیت کے خیال کے ساتھ حکومت کا کاروبار چلانا۔

2: بلا تفریق مذہب و ملت و نسل وغیرہ تمام باشندگانِ پاکستان کے لیے امن وانصاف قائم کرنا اور دوسری اقوام کو بھی اس مقصد کی دعوت دینا۔

3: جملہ معاہدات کا احترام کرنا جو کسی دوسری قوم یا مملکت سے کیے گئے ہوں۔

4: غیر مسلم باشندگانِ پاکستان کے لیے جان ومال اور مذہب کی آزادی اور شہری حقوق کے تحفظ کے ساتھ مذہب اسلام کی حفاظت و تقویت کا بندوبست کرتے ہوئے مسلم قوم کو ان قوانینِ الٰہیہ کا پابند بنانے کی انتہائی سعی کرنا جو مالک الملک نے ان کی فلاحِ دارین کے لیے نازل فرمائے ہیں۔

5: تمام باشندگانِ پاکستان کی انفرادی صلاحیتوں کی کامل حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کے معاشی حالات میں مناسب اور معتدل توازن قائم کرنا اور بحدِ امکان کسی فرد کو بھی ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ ہونے دینا۔

6: خصوصیت کے ساتھ ربا(سود) مسکرات (نشہ آور اشیاء)قمار (جوا)ہر قسم کے معاشرتی فواحش کے سدباب کی امکانی کوشش کرنا۔

7: قومی معاشرے کی بلند خیالی کے ساتھ ساتھ اسے صاف اور ستھرا بنانے کی ہر جائز کوشش کرنا۔

8: مغربی طرز کی پیچ در پیچ عدالتی بھول بھلیوں سے نکال کر عوام کے لیے امکانی حد تک سستا اور تیز انصاف حاصل کرنا۔

9: ان پاک اور بلند مقاصد کے لیے ایک ایک مسلمان کو بقدر ضرورت دینی و عسکری تربیت دے کر اسلام کا مجاہد اور پاکستان کا سپاہی بنا دینا۔

(بر موقع خطبہ ڈھاکہ، 9، 10 فروری 1949ء)

جمہور مسلمانوں کا مطالبہ:

ایک موقع پر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یاد رکھیے! مسلمان اب بیدار ہو چکا ہے، اس نے اپنی منزل مقصود معلوم کر لی ہے اور اپنا نصب العین خوب سمجھ لیا ہے، وہ اس راستہ میں جان و مال نثار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ خوش قسمتی سے بہت سے علماء امت اور اکثر مشائخ طریقت نے مذہبی نقطہ نظر سے پاکستان کی حمایت و تائید کا بیڑا اٹھایا ہے اور وہ اپنے پیروؤں (ماننے والوں) کو برابر یہ تلقین کر رہے ہیں کہ پاکستان اور مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کی انتہائی سعی کریں اور کسی رکاوٹ کو خاطر میں نہ لائیں کیونکہ اس وقت یہ مسلمانان ہند کی موت و حیات کا مسئلہ ہے۔

(ہمارا پاکستان، خطبہ صدارت، منعقدہ اسلامیہ کالج لاہور، 26 جنوری 1946)

ملی خودکشی کا معنیٰ:

ایک دوسرے موقع پر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہمارا مستقبل پاکستان سے وابستہ ہے اور ہم اسے زندگی اور موت کا سوال سمجھتے ہیں، ہمارا عقیدہ ہے کہ تقدیر نے ہمیں پاکستان کے تحفظ کے لیے انتخاب کیا ہے اور یہ چیز آئندہ نسلوں کو ورثہ میں ملے گی۔ امروز شاید ہمارا مذاق اڑایا جائے لیکن ہماری آنکھیں صبح فردا کے اس دلفریب خندہ کا نظارہ کر رہی ہیں جس کے پردہ سے ہماری کامرانیوں کا مہر منیر طلوع ہوگا۔ اس صبح کی نمود تک ہم نومیدیوں سے شب تار کو اپنی قربانیوں کے نور سے روشن رکھیں گے اور اسلام کے سچے فرزندوں کی طرح ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے۔ دیگر اقوام عالم کی طرح ہمارے سامنے بھی خدمت خلق کا معین مقصد ہے اور وہ اس صورت میں پورا ہو سکتا ہے کہ ہم پاکستانی روح کو منزہ اور ملحوظ رکھیں۔

(ہمارا پاکستان، خطبہ صدارت، منعقدہ اسلامیہ کالج لاہور، 26 جنوری 1946)

علامہ عثمانی کے خطبہ عید سے چند اہم اقتباسات:

1949ء میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے عید الفطر کا خطبہ ارشاد فرمایا جس کے چند اہم اقتباسات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

1: "یہ رحمت ایزدی کا کرشمہ ہے کہ ہم اغیار کے تسلط سے آزاد ہو گئے اور دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے مختار و کار فرما قرار پائے۔ اس حصول آزادی نے وہ تمام رکاوٹیں دور کر دیں جو کم از کم زندگی میں اجتماعی شعبوں میں ہماری راہ میں حائل تھیں جس پر چل کر ہم نہ صرف دنیائے اسلام کے سامنے بلکہ سارے عالم اسلام کے سامنے ایک معاشرہ اور ایک ایسی مثالی مملکت کا نمونہ پیش کر سکتے ہیں جس میں دجل و فریب کی جگہ صدق و صفا، بدعہدی اور خیانت کی جگہ پاس عہد و امانت، ہویٰ پرستی کی جگہ حق گوشی، ظن و تخمین کی جگہ ایمان و ایقان کی کار فرمائی ہو۔

جہاں اخلاقی انتشار و ہوس رانی کی جگہ ضبط نفس اور پاکیزگی کا دور دورہ، جہاں

اقتصادی چیرہ دستیوں کی جگہ معاشی توازن ہو۔ جہاں زیر دست بالا دستوں کے ظلم و عدوان کے خوف سے مامون ہوں، جہاں مخلوق کی گردنیں مخلوق کی غلامی سے آزاد ہوں۔ جہاں نیکی کی قوتوں کو ابھرنے، پنپنے اور فروغ پانے کے لیے ساز گار فضاء میسر آ سکے۔ جہاں بدی کے سرچشمے بے آب ہو کر خشک ہو جائیں۔ جہاں کا ہر وفادار باشندہ بلا لحاظ مذہب وملت بلا تفریق رنگ و نسل محسوس کرے کہ امن و آشتی، عدل و انصاف، آزادی ضمیر، احترام انسانیت، تحفظ جان و مال اور بقائے ننگ و ناموس کے لیے صفحہ ہستی پر اس سے بہتر خطہ میسر نہیں۔"

2: "پاکستان کی شکل میں ہمیں خطہ زمین اس جنت ارضی کی تعمیر و تشکیل اور فرائض منصبی کی انجام دہی کے لیے مل گیا جو ہم پر خیر الامم ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتے ہیں کہ ہم اچھائیوں کا حکم کریں اور برائیوں سے روکیں۔"

3: "حضور رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گنبد خضراء میں استراحت فرماتے ہوئے عالم اسلام پر نگاہ کرم دوڑاتے ہیں.........رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ادنیٰ غلام اور عاشق علامہ اقبال نے نغمہ ہندی کے ساتھ حجازی لَے میں پاکستان کی اسلامی مملکت کا تصور ملت کے سامنے پیش کیا۔ عالم روحانیت اور عاطر ملکوت سے پاکستان کی اسلامی سلطنت کا نقشہ رسول اللہ کی دعاؤں سے ملت اسلامیہ کے قلب پر نازل ہوا۔"

4: "انگریز اور ہندو کے ناپاک عزائم کو دیکھ کر کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ مسلمانوں کو استقلال اور آزادی حاصل ہو گی لیکن بارگاہ ایزدی سے پاکستان کی جلیل الشان مشرقی اور مغربی حکومتوں کے قیام کا فیصلہ ہو چکا تھا...... مسٹر اٹیلی وزیر اعظم برطانیہ کو یہ معلوم نہ تھا کہ 14 اگست کو رمضان المبارک کا جمعۃ الوداع اور لیلۃ القدر ہے لیکن جو فیصلہ بارگاہ ایزدی میں ہو چکا تھا اس کے مطابق یہ دن جمعۃ الوداع کا مقدس

دن تھا جس روز ملتِ اسلامیہ کو عید سے دو دن پہلے آزادی اور استقلال کی خداوندی نعمتیں عطاء ہوئیں۔"

:5 "الحمدللہ! کہ پاکستان کی اسلامی مملکت قائم ہو چکی اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکستان کی مجلس دستور ساز میں قرارداد مقاصد بھی منظور ہو چکی ہے کہ یہاں قرآن و سنت کے ماحول میں اسلامی نظام حیات جاری کیا جائے گا۔ پاکستان کے قیام کا حقیقی مقصد یہی تھا کہ ہمیں ایک ایسا خطہ ارضی مل جائے جہاں مسلم قوم کو قدرت حاصل ہو کہ وہ تمام و کمال اسلامی آئین و قوانین جاری کرے اور اللہ رسول کے دین کو غالب اور سربلند کرے۔"

:6 "آسمانی قانون کے اجرا کی یہی برکت ہے کہ اس جرم کی سزا جرم کو روکتی ہے۔"

:7 "ہم نے سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے جداگانہ اسلامی قومیت اور حصول پاکستان کی مخلصانہ حمایت مذہبی نقطہ نظر سے حق اور صحیح سمجھ کر کی۔"

:8 "قرآنی نظام اور دستور کی ترتیب سے پہلے یہ ضروری تھا اور ہے کہ محکمہ شریعت کا قیام عمل میں لایا جائے ویسے جب مکمل اسلامی نظام جاری ہو گا تو تمام وزارتیں ہی احکام دین کے مطابق کام کریں گی۔ لیکن اسلامی ماحول اور اسلامی فضاء تیار کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مرکزی حکومت کے علاوہ پاکستان کے ہر صوبہ میں محکمہ امور مذہبی کا قیام عمل میں لایا جائے۔ اسلامی اوقاف، تنظیم زکوٰۃ، معارف اسلامیہ، تبلیغ و اشاعت دین، مبلغین اسلام کی تعلیم و تربیت......نومسلموں کی آبادی کا قیام، اندھے اور اپاہجوں کے لیے محتاج خانوں کا قیام، مساجد کی تنظیم، ائمہ مساجد کی تربیت، خطبات جمعہ کی ترتیب اور وحدت، ریڈیو پر درس قرآن اور تبلیغ اسلام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، تہذیب و معاشرت اسلامی کا اجراء، دینی مدارس کی نگرانی، مسلمانوں کے لیے قرآن مجید اور عربی زبان کی جبری اور لازمی تعلیم، نکاح،

طلاق، وراثت کے شرعی قوانین کا نفاذ، ممالک یورپ میں اسلام کے تبلیغی مشنوں کا قیام، حاجیوں کے سفر حج کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ آسانیاں بہم پہنچانا، حج کے لیے بری، بحری اور ہوائی سروسوں کا جدید ترین نظام، پاکستان؛ ممالک خارجہ کے تمام سفارت خانوں میں اسلامی ثقافت، دینی تبلیغ اور بہترین اسلامی لٹریچر تیار کرنے کے لیے ماہرین اسلامیات کا سرکاری تقرر اور ساتھ ہی ممالک اسلامیہ میں اسلامی اخوت اور اتحاد کے رشتوں کو مضبوط بنانے کے لیے اسلامی وفود کی ترسیل اور مسلمانوں کو ارکان اسلام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد کی عام تبلیغ اور تلقین، ملت میں مسلسل تبلیغ دین سے ایک ایسا اسلامی ماحول تیار کرنا جہاں دین اسلام کی پابندی میں ملت کا متمول اور دولت مند طبقہ بھی فخر محسوس کرے۔ پاکستان کے مسلمانوں کو جو کچھ حاصل ہوا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی فیضان ہے"

9: "آج عید الفطر کے مبارک دن آپ کے قلوب نور ایمان سے لبریز اور اسلامی مسرتوں سے معمور نظر آرہے ہیں لیکن آج کے مقدس دن ہم کشمیر کے مسئلہ کو فراموش نہیں کر سکتے۔ ہماری کوشش یہی ہے کہ یہ نازک مسئلہ ناخن تدبیر سے سلجھ جائے لیکن اگر گرہ آسانی سے نہ کھلے تو پھر اسے کھینچ کھینچ کر توڑ دیا جائے۔ تالا اگر چابی سے نہ کھلے تو پھر ہتھوڑے سے اسے توڑنا ہی پڑتا ہے۔ کشمیر کا مسئلہ عالم اسلام کا مسئلہ ہے اگر ضرورت پیش آئے اور استصواب رائے میں رکاوٹیں پیدا کی جائیں تو پھر آخری صورت جہاد ہی کی ہے۔ ہمیں ہر قیمت پر کشمیر کو اسلام اور پاکستان کے لیے حاصل کرنا ہے، ملت پاکستانیہ اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لے کہ کشمیر کے بغیر پاکستان مکمل نہیں ہے۔"

10: "آج عید کے دن ہم مہاجرین کی امداد اور بحالی کو بھی سب سے بڑی اور اہم ضرورت خیال کرتے ہیں، حکومت پاکستان کے علاوہ ہر ذی استطاعت مسلمان کا فرض

ہے کہ وہ اپنی دولت و ثروت میں مہاجرین کو بھی شامل کرے۔ ہر غریب اور مہاجر کے لیے رہنے کو گھر، کھانے کو روٹی اور پہننے کو کپڑا مہیا کرنا ہماری حکومت کا جہاں فرض ہے وہاں ہماری ملت کے متمول طبقے کا اسلامی فرض ہے کہ مہاجرین کی آبادکاری ان کی نو آبادیاں قائم کرنے، مکانات تعمیر کرنے اور دیگر ضروریات زندگی میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے، صدقہ فطر، زکوٰۃ اور صدقات کا نظام اسی لیے قائم کیا گیا تھا کہ ملت کے تمام طبقات میں زندگی کے معیار کا توازن قائم کیا جائے۔ دولت کی غلط تقسیم ہی سے کیمونزم اور دوسری ملحدانہ تحریکیں فروغ حاصل کرتی ہیں......اس موقع پر یہ بات بالکل فراموش نہ کیجیے کہ آج دنیا میں معاشی اختلال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت کا سیلاب ہر طرف بڑھتا چلا آرہا ہے اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کر سکتا ہے تو وہ اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔ اگر پاکستان عالم اسلام کو اس بھیانک خطرے سے بچانا چاہتا ہے تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا نفاذ عمل میں لائیں۔"

(خطبات عثمانی، خطبہ عید الفطر 1949ء ص279 تا292)

تاریخ نویسوں سے شکوہ:

پاکستان کے تاریخ نویسوں کا حافظہ کمزوری کا شکار نہ ہوتا تو وہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی ملکی، قومی اور آئینی خدمات کو کبھی فراموش نہ کرتے۔ افسوس صد افسوس! کہ اس عظیم شخصیت کو جس کی محنت اور اخلاص نے پاکستان کے خاکے میں مذہب اور تقدس کا رنگ بھر قوم کے حوالے کیا، بانیان پاکستان کے شانہ بشانہ تعمیر وطن میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اگر علامہ شبیر احمد عثمانی مسلم لیگ کی حمایت نہ کرتے اور قائد اعظم کے دست راست نہ بنتے تو برصغیر کے مسلمان اسے تحریک ضرور سمجھتے مگر نظریاتی تحریک کبھی نہ سمجھتے۔

تعلیماتِ اسلامی بورڈ:

قرارداد مقاصد کے پاس ہو جانے کے بعد پاکستان کا دستور کتاب و سنت کے مطابق بنانا اصولاً لازمی ہو گیا تھا اس عظیم کام کے لیے ظاہر ہے کہ نہایت ذہین، معاملہ فہم، زیرک، ماہر اور سکہ بند علماء کی ضرورت تھی۔ علامہ شبیر احمد عثمانی کی تجویز پر ایک بورڈ تشکیل دیا گیا اور اس کی صدارت کے لیے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز علامہ سید سلیمان ندوی کا نام تجویز ہوا۔ سید صاحب اس وقت بھوپال میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے۔

وزیر اعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان نے سید صاحب کو بلانے کے لیے خطوط روانہ فرمائے، کافی کوششوں کے باوجود جب سید صاحب برابر عذر ہی پیش فرماتے رہے تو بالآخر نواب زادہ لیاقت علی خان نے مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ کو بھوپال اس غرض سے روانہ کیا کہ وہ سید صاحب کو لے آئیں۔ انہوں نے سید صاحب کو تمام ملکی و ملی حالات سے باخبر کیا اور حکومت کی نیک نیتی کا یقین دلایا۔ نیر تعلیمات اسلامی بورڈ کی صدارت اور دستور اسلامی میں تعاون پر آمادہ کیا چنانچہ جون 1950ء میں سید صاحب پاکستان تشریف لے آئے۔ یہ بورڈ سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ وغیرہ چھ افراد پر مشتمل تھا۔

بورڈ 9 اگست 1949ء سے اپریل 1954ء تک تقریباً ساڑھے چار سال تک نہایت محنت سے دستور پاکستان کے لیے سفارشات پیش کرتا رہا۔ جس کی جھلک 1956ء اور 1973ء کے آئین میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اسکندر مرزا اور قاری محمد طیب قاسمی:

علماء نے بہت زیادہ محنت کی کہ کسی طرح سے اسلامی آئینی بل منظور ہو جائے لیکن یہ کام ٹال مٹول کا شکار ہوتا رہا۔ میجر جنرل اسکندر ابتداءً اس کے لیے تیار

نہیں تھے۔ وہ مذہب اور سیاست کو جدا جدا سمجھتے تھے۔

1955ء میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ کراچی پاکستان تشریف لائے اور حسن اتفاق سے ایک عشائیہ کی تقریب میں سے اسکندر مرزا سے ملاقات ہوئی۔ موصوف نے اسلامی آئین کے بارے میں اپنے شبہات ان کے سامنے پیش کیے۔ حضرت قاری صاحب نے ان کے ہر شبہہ کا ایسا مدلل اور حکیمانہ جواب دیا کہ اسکندر مرزا بے ساختہ کہہ اٹھے: ”اگر واقعی اسلام کے بنیادی اصول یہ ہیں تو انہیں ہم ہر قیمت پر منظور اور نافذ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ “

آئینی بل کی منظوری:

29 فروری 1956ء کو رات ٹھیک 11:59 پر آئینی بل منظور کر لیا گیا اور 2مارچ 1956ء کو اسکندر مرزا نے ایک شاندار تقریب میں آئینی بل پر دستخط کر کے اسے قانونی شکل دے دی۔ اور میجر صاحب کی شاندار خدمات پاکستان کے اعترف میں انہیں بلا مقابلہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا پہلا صدر منتخب کیا گیا۔

مفتی اعظم پاکستان کا اعلان:

2مارچ 1956ء کو آئینی بل پر میجر جنرل اسکندر مرزا کی دستخط کی تقریب کے کچھ ہی دیر بعد مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع دیوبندی قائم مقام صدر جمعیت علمائے اسلام نے ریڈیو پاکستان کراچی سے مندرجہ ذیل بیان جاری کیا:

”پاکستان بنے تقریباً 9 سال ہو چکے ہیں، اس عرصہ میں اس نومولود مملکت نے اپنے تعمیری منصوبوں کے بہت سے شعبوں میں ایک حد تک ترقی بھی کی لیکن ایک بنیادی خلا ایسا تھا جو اس ملک کو طرح طرح کے فتنوں کی آماجگاہ بنائے ہوئے تھا اور بیرونی دنیا میں ہمارا وزن بہت ہلکا کیے ہوئے تھا۔

دستور سازی میں اتنی طویل مدت کیوں صرف ہوئی یہ ایک ایسی داستان ہے

جسے دہرانا لاحاصل ہے بہر حال ہر چیز کا ایک وقت متعین ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج وہ یوم سعید بھی آن پہنچا کہ سالہا سال سے اختلافات کے بھنور میں پھنسا ہوا یہ سفینہ نہ صرف گرداب سے باہر نکل آیا بلکہ ساحلِ مراد تک جا پہنچا۔

پاکستان کے لوگ اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں، کم ہے کہ اس کے فضل و کرم سے اس ملک کو طویل انتظار کے بعد ایسا دستور میسر آیا جسے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں قیام پاکستان کے بنیادی مقاصد، عامۃ المسلمین کی آرزوؤں اور اسلام کے اہم تقاضوں کی خاص رعایت موجود ہے...... اللہ تعالیٰ عوام اور خواص سب کو توفیق عطاء فرمائے کہ ان ذمہ داریوں کو محسوس کریں جو آج کے دن بالخصوص ہمارے اوپر عائد ہوتی ہیں اور پورے اخلاص کے ساتھ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر گوشہ کو اسلام کے تقاضوں کے مطابق استوار کرنے کی سعی کریں۔

پاکستان کا وجود اللہ کا ایک بہت بڑا انعام ہے اور اس کا یہ دستور ایک مستقل انعام۔ ہم سب کو اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ارکان دستور یہ خصوصاً وزیر اعظم جن کی شبانہ روز محنتوں اور کاوشوں کے نتیجہ میں یہ دستور مکمل ہوا، وہ مستحق شکر اور لائق تحسین ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان حضرات کو دنیا و آخرت میں جزاء خیر عطاء فرمائیں اور اس کی توفیق دیں کہ دستور کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس سرگرمی کے ساتھ کام کریں جس انہماک کے ساتھ گزشتہ چند ماہ کے دوران دستور کی ترتیب کا کام انجام دیا گیا۔"

(تعمیر پاکستان، ص۔234)

مدینہ طیبہ اور پاکستان:

اسلام کی 1400 سالہ تاریخ اس بات کی چشم دید گواہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے بعد پاکستان دوسری ریاست ہے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آئی۔ مدینہ طیبہ کے اسلامی ریاست بننے کے وقت حالات کی جو سنگینی چل رہی تھی قیام پاکستان کے وقت بھی اس سے ملتی جلتی صورتحال بن چکی تھی۔

- مدینہ طیبہ کو اس وقت کے بت پرستوں سے خطرہ تھا اور ان بت پرستوں کی پشت پناہی یہود کر رہے تھے۔ پاکستان کو بھی بت پرست ہندوؤں سے خطرہ رہتا ہے اور انڈیا کی امداد اِس وقت کے یہودی اسرائیلی کر رہے ہیں۔
- مدینہ طیبہ سے پوری دنیا میں اسلام کا پیغام پھیل رہا تھا آج پاکستان سے بھی پوری دنیا میں دین پھیل رہا ہے۔
- مدینہ طیبہ میں امن کو بنیادی حیثیت حاصل تھی لیکن بعض فسادی عناصر نے امن تباہ کرنے کی کوششیں کیں اسی طرح پاکستان بھی جائے امن ہے اس میں بھی بعض فسادی عناصر تخریب کاری کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ جیسے مدینہ طیبہ اللہ کی حفاظت میں ہے ایسے ہی پاکستان بھی اللہ کی حفاظت میں ہے۔
- جیسے مدینہ کے امن کو تباہ کرنے والے کچل دیے گئے ایسے ہی پاکستان کے امن کو برباد کرنے والے کچل دیے جائیں گے۔

دل کی بات:

میں عقائد اسلامیہ اور مسلک اہل السنت والجماعت کی اشاعت و تحفظ کے لیے تقریباً 20 ملکوں کا سفر کر چکا ہوں۔ میرا ذاتی مشاہدہ یہ ہے کہ پوری دنیا میں پاکستان کی مثال نہیں پائی جاتی۔ باقی ممالک قومیت اور لسانیت کی بنیاد پر معرض وجود میں آئے لیکن یہ وطن اسلام کی بنیاد پر وجود میں آیا۔ یہاں دنیا کی ہر نعمت وافر مقدار میں پائی

جاتی ہے۔

- ❖ سینیٹ اور قومی و صوبائی اسمبلیوں میں (سوائے چند لوگوں کے۔ اللہ انہیں بھی ہدایت نصیب فرمائے کہ وہ دین وملت کے وفادار بنیں) مجموعی طور پر محب وطن، مخلص عوام کے نمائندے عوام کی خدمت میں مصروف عمل ہیں۔
- ❖ پاکستان واحد اسلامی ایٹمی قوت ہے، جدید ترین میزائل اس نے بنا لیے ہیں۔ نیوکلیئر ٹیکنالوجی میں دیگر ممالک کے مقابلے میں بہت آگے ہے۔
- ❖ یہاں کی بری، بحری اور فضائی افواج دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔
- ❖ ملک سے فرقہ وارانہ تشدد، دہشت گردی اور تخریب کاری کو کچلنے میں موجودہ آرمی چیف کی کاوشیں قابل تقلید و لائق تحسین ہیں اور اہلیان پاکستان کے لیے قابل فخر ہیں۔
- ❖ ملک میں ٹارگٹ کلنگ، بھتہ مافیا، غنڈہ گردی کو کیفر کردار تک پہنچانے میں پاک فوج دلی مبارکباد کی مستحق ہے۔
- ❖ اسلامی ممالک کے عسکری اتحاد میں پاک فوج کی شمولیت بین الاقوامی دھارے میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔
- ❖ حرمین شریفین کے تحفظ کے لیے پاک فوج کا بے لوث تعاون باعث افتخار ہے۔
- ❖ حساس ادارے، ایجنسیاں ملکی سالمیت و استحکام میں جان کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرتیں۔
- ❖ ملک دشمن قوتوں کے شر و فساد سے اہلیان پاکستان کی حفاظت کرنا ISI کا طغرہ امتیاز ہے۔
- ❖ کراچی بندرگاہ کمرشل اور فوجی نقطہ نگاہ سے برصغیر کی محفوظ ترین بندرگاہ تصور کی جاتی ہے۔

- گوادر بندر گاہ اور اقتصادی راہداری کا منصوبہ CPEC اور اس پر برق رفتاری سے کام مدبرانہ سیاست اور مضبوط عسکری قیادت کی بدولت ہے۔
- مجموعی طور پر دینی و عصری تعلیمی اداروں کی حالت کافی اطمینان بخش ہے جہالت کے خاتمے کے ساتھ ساتھ نئی نسل میں تعلیم کی وراثت منتقل کر رہے ہیں۔
- دینی تعلیم کے فروغ کے لیے پاکستان میں جامعات اپنی مثال آپ ہیں۔
- یہاں کے علماء حق عوام میں دینی شعور، فکری تربیت اور اخلاقی اقدار کو مزید مستحکم کر رہے ہیں۔
- تاجر برادری پوری دنیا میں اپنی ممتاز حیثیت رکھتی ہے اور ملک کی معیشت و اقتصادی عمل کو مزید مضبوط کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔
- یہاں کی زرخیز زمین نے زمیندار طبقے کو خوشحال بنایا ہوا ہے۔ یہ ملک اجناس (گندم، چاول، چنا، دالیں وغیرہ) کے حوالے سے نہ صرف یہ کہ خود کفیل ہے بلکہ بیرون ملک کی برآمدات میں بھی مسلسل اضافے کا باعث بن رہا ہے۔
- پانی کی ہر قسمی ضروریات کے لیے یہاں بڑے بڑے پانچ دریا بہتے ہیں۔ سمندر بھی موجود ہے، بے مثال نہری نظام اور نظام آبپاشی بھی پاکستان میں موجود ہے۔
- معدنیات اور قدرتی ذخائر بھی قدرت نے بے بہا عطا فرمائے ہیں۔ نمک، کوئلہ، آئل، گیس اور دیگر معدنیات یہاں کی زمین اُگل رہی ہے۔

ریاستی استحکام میں امن کی اہمیت

امن نام ہے سماجی انصاف، وسائل اور اقتدار میں منصفانہ طرز معاشرت کا۔ یہ ایک کیفیت ہے جس کی بدولت سماج میں سکون و اطمینان، خوشی و راحت اور چین و سرور پیدا ہوتا ہے اور یہی چیز قوموں کی ترقیات کا پہلا زینہ ہوتی ہے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ کسی بھی ریاست کی کامیابی، ترقی اور خوشحالی کی بنیاد امن، علم اور معیشت سے وابستہ ہوتی ہے۔ پھر ان تینوں میں سے امن کو اولیت حاصل ہے۔ جس ریاست میں امن کا پائیدار قیام موجود ہو وہاں علم اور معیشت کا استحکام خود بخود وجود پذیر ہو جاتا ہے۔

تعلیم و صحت:

اس لیے ریاست کی ذمہ داریوں میں جہاں یہ بات شامل ہے کہ وہ عوام کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرے، جہالت کے خاتمے کے لیے معیاری نظام تعلیم اور مثالی تعلیمی ادارے قائم کرے اس کے لیے ماہر اساتذہ کی خدمات حاصل کرے۔ بیماریوں کے خاتمے کے لیے معیاری محکمہ صحت اور مثالی کلینکس اور ہسپتال قائم کرے، ان کے لیے ماہر ڈاکٹرز کی خدمات حاصل کرے۔

عدل و انصاف:

ناانصافی کے خاتمے کے لیے معیاری عدالتی نظام اور مثالی عدالتیں قائم کرے اس کے لیے ماہر وکلاء اور ججز کی خدمات حاصل کرے۔ بے روزگاری اور غربت کے خاتمے کے لیے معیاری ادارے اور مثالی اقدامات کرے، الغرض امیر و غریب، ہر رنگ نسل اور قوم کے لوگوں کے لیے بالخصوص بھوکوں، پیاسوں، مفلسوں اور ضرورتمندوں کے لیے وسائل کی فراہمی کا معقول اور مناسب بندوبست کرے تاکہ

عوام خوشحال زندگی بسر کر سکے۔

ان سب باتوں سے بڑھ کر ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے عوام کے لیے پر امن ماحول پیدا کرے، تاکہ وہ آزادی کے ساتھ آگے بڑھیں جب تک امن کا ماحول سازگار نہیں ہو گا اس وقت تک ریاست کے استحکام و ترقی و خوشحالی کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے سے شرمندہ ہی ہوتا رہے گا۔

شدت پسندی کا خاتمہ:

اس وقت تک ریاست کے عوام احساسِ محرومی، احساس غلامی، عدم مساوات، سماجی و معاشی عدم تحفظ، غیر متوازن سیاسی حالات سے دوچار ہو کر قوم پرستی، نسل پرستی اور مذہبی بنیاد پرستی، شدت پسندی کی اندھی راہوں کے مسافر بنیں رہیں گے۔ یکساں شہری حقوق اور عدل و انصاف سے محروم رہے گی اور جہالت، غربت، بیماری، ناانصافی کا شکنجہ چاروں طرف سے اس پر مزید کستا جائے گا اور نتیجہ یہ نکلے گا یہ قوم بے کار ہو کر رہ جائے گی اور قوم ایک لاش سے دوسری لاش گرنے تک کے عارضی وقفے کو ہی امن سمجھتی رہے گی۔

اس وقت وطن عزیز پاکستان بری طرح بدامنی کی لپیٹ میں ہے، شرپسند سازشی و فسادی تخریب کاروں اور دہشت گردوں نے وطن کی سالمیت کو دولخت کرنے کے لیے اسی وطن کے کئی لخت جگر معصوم ذہنوں کو خودکش بمبار بنایا، درگاہوں کو مقتل گاہوں میں بدل دیا، سیاسی و سماجی شخصیات کے ساتھ ساتھ بے گناہ لوگوں پر حملہ آور ہوئے۔

فتنہ پرور، سفاک درندوں نے چند دنوں میں منظم منصوبہ بندی سے ایسا خونی کھیل کھیلا جس میں سینکڑوں افراد لقمہ اجل بن گئے، وطن کے سجیلے جوانوں کے جسمانی اعضاء فضا میں بکھر کر رہ گئے، زخمیوں کے اعضاء ناکارہ ہو گئے، شہداء کے لواحقین و

پسماندگان کی چیخ و پکار سے عرش الٰہی کانپ نہیں لرز اٹھا۔ حالات نے ایک کروٹ بدلی امن کی راہیں ہموار کرنے والے خود اس راہ میں ہموار ہو گئے۔

سنجیدہ اقدامات کی ضرورت:

دہشت گردی کے ہر واقعے کے بعد اسے ختم کرنے کے لیے حکومتی لائحہ عمل طے کیا جاتا ہے، کچھ دن بعد پھر کوئی سانحہ پیش آتا ہے اس کے بعد پھر نئی حکمت عملی ترتیب دی جانے لگتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قیام امن کے لیے ہماری عسکری، سیاسی اور مذہبی قوتوں نے سر جوڑ لیا ہے اور سنجیدگی کے ساتھ اس مسئلے کے حل کے لیے غور و فکر سے بڑھ کر عملی تدابیر بھی اختیار کرنا شروع کر دیں ہیں قوم نے اس سے ایک امید باندھ لی ہے خدا کرے کہ ہماری عسکری، مذہبی اور سیاسی قوتیں عوام کی امیدوں پر پورا اتریں۔

غلط فہمی کا شکار نہ ہوں:

اس سارے منظر نامے میں ہمیں یہ بات ہرگز نہیں بھولنی چاہیے کہ ہمارے پڑوسی ملک ہماری ریاست پاکستان کو کمزور کرنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ جب سے وطن عزیز میں سی پیک کا منصوبہ شروع ہوا ہے اسی دن سے دشمنوں نے بھی منصوبہ بندی شروع کر دی ہے۔ جیسے جیسے وطن عزیز میں معیشت مضبوطی کی طرف قدم بڑھا رہی ہے ویسے ویسے دشمن بھی مضبوط قدموں کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے اور ان مقامات کا انتخاب کر کے حملے کر رہا ہے جہاں سے وہ خود تو نکل جاتا ہے اور غلط فہمی کی بنیاد پر باہمی خانہ جنگی شروع ہوتی ہے اور دونوں اطراف کے بے گناہ لوگ ایک دوسرے پر الزام تراشیاں کرنے لگ جاتے ہیں۔ گویا دو طرح کے حملے ہو رہے ہیں ایک وہ جہاں سے دشمن ہمیں مارتا ہے اور دوسرا وہ جہاں ہم خود غلط فہمی کی بنیاد پر ایک دوسرے کو مارنا شروع کر دیتے ہیں۔

وقت آن پڑا ہے:

وقت آن پڑا ہے! قوم کی سیاسی، مذہبی اور عسکری قیادت دشمن کی سازشوں کو سمجھے بھی، ناکام بھی بنائے اور باہمی غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے اپنا کردار بھی ادا کرے تاکہ ہمارا ملک بھی محفوظ ہو اور اس ملک میں ہم بھی ایک دوسرے سے محفوظ ہوں اور یہ سب کچھ باہمی اتحاد و اتفاق سے ممکن ہے۔ ریاست اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک معیشت مضبوط نہ ہو، معیشت اس وقت مضبوط ہو سکتی ہے جب علمی دنیا میں آگے بڑھا جائے اور علمی دنیا میں ہم اس وقت آگے بڑھیں گے جب امن آئے گا۔ اس لیے ریاستی استحکام میں امن کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔

دردمندانہ گزارش:

میری پوری قوم سے گزارش ہے کہ اس کڑے وقت میں ہم سب کو اپنے وطن کی سلامتی کے لیے ایک دوسرے کا ساتھ دیں، عسکری و حکومتی لائحہ عمل کی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تاکہ پاکستان کا وجود دہشت گردی، تخریب کاری، بدامنی کے وجود سے پاک ہو سکے۔ اس وطن کی جغرافیائی سرحدات ہمارے آباء و اجداد، ہماری اور ہماری آنے والی نسلوں تک کی محافظ ہیں اس لیے ہمیں بھی اس کی سالمیت و استحکام کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔

یومِ دفاعِ پاکستان

6 ستمبر 1965ء کا یادگار دن:

اللہ کا انعام ہے پاکستان......اور یہ طے شدہ بات ہے کہ اللہ کے انعام کو زوال نہیں آسکتا۔ وطن عزیز پاکستان جب سے بنا بلکہ بننے سے بھی پہلے جب اس کو بنانے کے لیے منظم منصوبہ بندی کی جارہی تھی اور اس کے حصول کے لیے قربانیوں کی داستان شروع ہورہی تھی اس وقت سے لے کر آج تک یہ پوری دنیائے کفر کی آنکھوں میں کانٹا بن کر چبھ رہا ہے۔ عالم کفر پہلے یہ چاہتا تھا کہ برصغیر کے مسلمان پاکستان کو آزاد اسلامی ریاست کے طور پر حاصل نہ کرسکیں لیکن خدائی امر پورا ہو کر رہا اور دنیا کے نقشے پر پاکستان آزاد اسلامی فلاحی خود مختار مملکت بن کر ابھرا۔

طاغوتی سازشیں:

اس کے بعد عالم کفر پھر سر جوڑ کر بیٹھا کہ اس کو باقی نہ رہنے دیا جائے چنانچہ ہر طرح سے اور ہر طرف سے سازشوں کے جال بچھائے گئے تاکہ پاکستان کا وجود ختم ہو جائے۔ ان شیطانی تدبیروں پر خدائی تقدیر غالب رہی اور پاکستان کا وجود نعمت الٰہی کا مظہر بن کر آج تک زندہ و پائندہ ہے۔ جب سازشوں سے کچھ نہ ہو سکا تو دشمن نے طاقت کو آخری حربے کے طور پر استعمال کیا لیکن وہ یہ بھول گیا کہ پاکستان محض حادثاتی طور پر معرض وجود میں نہیں آیا بلکہ لاکھوں شہداء کی قربانیوں کے صلے میں اللہ نے عطا فرمایا ہے جیسے شہید؛ حیاتِ جاودانی کا تمغہ اپنے سینے پر سجاتا ہے اسی طرح اس کے لہو میں بھی خدا نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ وہ جس کی بنیادوں میں شامل ہو جائے اسے بھی زوال کے زنگ سے آلودہ نہیں ہونے دیتا۔

کسی بھی ملک میں امن، معیشت اور خوشحالی اس وقت آسکتی ہے جب اس

ملک کی سرحدیں مضبوط ہوں۔ سرحدوں کی مضبوطی مضبوط کڑیل جوانوں کے مضبوط حوصلوں کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ صد شکر ہے کہ پاکستان کی ترقی، خوشحالی، مضبوط معیشت اور پرامن ہونے میں افواج پاکستان کا شروع سے مثالی اور قابل تحسین کردار چلا آرہا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اسلام سے وابستگی ہے جس نے ہماری بہادر افواج کے جانبازوں اور سرفروشوں کو اسلامی ریاست پر قربان ہو جانے جذبہ اور باہم متحد رہنے کا سبق دیا ہے، یہی وہ مبارک جذبہ تھا جس کی بنیاد پر ہم کل تک ناقابل شکست قوم رہے اور اسی جذبے کی بدولت ہی ہم آئندہ ناقابل شکست قوم باقی رہ سکتے ہیں۔

قائداعظم کی دفاعی پالیسی:

اسلام سے مضبوط وابستگی کے ساتھ ساتھ بانی پاکستان کی پالیسی اور سوچ ہے جس کی بنیاد پر ان کے حوصلے بلند ہی رہتے ہیں۔ تاریخ پاکستان کا ہر طالب علم بانی پاکستان کے اس فرمان کو کبھی نہیں بھول سکتا جو انہوں نے ملک کے دفاع کے حوالے سے کیا تھا، 22 جنوری 1948ء دلاور جہاز کے افتتاح کے موقع پر قائداعظم نے خطاب کرتے ہوئے کہا: ”پاکستان کے دفاع کو مضبوط بنانے میں آپ میں سے ہر ایک کو اپنی الگ الگ جگہ انتہائی اہم کردار ادا کرنا ہے، اس کے لیے آپ کا نعرہ یہ ہونا چاہیے کہ ایمان، تنظیم اور ایثار۔ آپ اپنی تعداد کے کم ہونے پر نہ جایئے، اس کمی کو آپ کی ہمت و استقلال اور بے لوث فرض شناسی سے پورا کرنا پڑے گا کیونکہ اصل چیز زندگی نہیں ہے بلکہ ہمت، صبر و تحمل اور عزم مصمم ہیں جو زندگی کو زندگی بنا دیتے ہیں۔“

بزدلانہ حملہ، دلیرانہ جواب:

پاکستان کو معرض وجود میں آئے ابھی 18، 19 سال ہوئے تھے، پڑوسی ملک ہندوستان نے اس پر حملے کی منصوبہ بندی کی اور صبح کا ناشتہ لاہور میں کرنے کی خواہش کا اظہار کیا اور ہندوستانی فوج کے کمانڈر انچیف نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ

وہ لاہور کے جم خانہ میں شام کو شراب کی محفل سجائیں گے، "کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ" کے مصداق اسلحے اور طاقت کے نشے میں بدمست ہاتھی کی طرح پاکستان کی مقدس حدود میں داخل ہوئے تو "مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی" کے مصداق پاکستان کی افواج نے ان کے منصوبے کو خاک میں ملایا اور انہیں خاک چاٹنے پر مجبور کیا۔ اس نازک موقع پر پاکستان کے بہادر عوام اپنی فوج کے شانہ بشانہ وطن عزیز کے دفاع کے لیے سروں پر کفن باندھ کر میدان میں اترے۔ پھر چشم فلک نے وہ نظارہ بھی کیا کہ لاہور میں ناشتہ کرنے والوں کے خون سے لاہور کی پیاسی زمین سیراب ہوئی۔

تاریخ خود کو دہراتی ہے:

شیر خدا علی المرتضیٰ، خالد بن ولید، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، صلاح الدین ایوبی، ٹیپو سلطان کے وارثوں نے اپنے آباء کی تاریخ دہراتے ہوئے دشمنوں کے نہ صرف دانت کھٹے کیے بلکہ ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ اُن کے دانتوں تک کو پسینہ آ گیا، کئی گنا زیادہ دشمن بزدلوں کی طرح رات کی تاریکی میں شب خون مارنے کے لیے پاکستان کی سرحدی حدود میں داخل ہوا پاکستان کے جانباز شیر جوانوں نے آن ہی آن میں ان کو خاک و خون میں تڑپا دیا۔ لاہور کے سیکٹر بر کی کو میجر عزیز بھٹی شہید جیسے سپوت نے سنبھالا، جان دے دی مگر وطن کی زمین پر دشمن کا ناپاک قدم قبول نہ کیا۔ چونڈہ کے سیکٹر کو پاکستانی فوج کے جوانوں نے اسلحہ و بارود سے نہیں اپنے جسموں کے ساتھ بم باندھ کر ہندوستان فوج اور ٹینکوں کا قبرستان بنایا۔ اس کے علاوہ جسڑ سیکٹر قصور، کھیم کرن اور مونا باؤ سیکٹرز پر بھی دشمن کو عبرت ناک شکست اس انداز میں ہوئی کہ اسے پکا ہوا کھانا، فوجی ساز و سامان، جیپیں اور جوانوں کی وردیاں چھوڑ کر میدان سے بھاگنا پڑا۔ ایک طرف بحری فوج نے دشمن کی نیندیں حرام کیں تو دوسری

طرف سکواڈرن لیڈر ایم ایم عالم جیسے سپوت نے ایک منٹ سے بھی کم وقت میں دشمن کے پانچ جہازوں کو مار گرایا۔ اس کے ساتھ ساتھ سکواڈرن لیڈر سر فراز رفیقی اور سکواڈرن لیڈر منیر الدین اور علاؤالدین جیسے شہیدوں نے بھی ثابت کر دیا کہ دفاع وطن کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا بقائے وطن کے لیے وفاء عہد کی تکمیل ہے۔ فضیلت تو وہ ہوتی ہے جس کی گواہی دشمن بھی دے۔ ہندوستان کے سابق لیفٹیننٹ جنرل "کول" کو ہندوستانی سرکار نے اس لیے فارغ کر دیا کہ وہ چینی سرحدی علاقوں سے متصل علاقے کا دفاع تک نہ کر سکا۔ اس کے علاوہ وہ علاقے بھی جو پنڈت جواہر لال نہرو کی حکومت کے خیال میں بھارت کے علاقے تھے، چین نے جن پر قبضہ مخالفانہ کر رکھا تھا، وہ بھی چینیوں سے آزاد نہ کرا سکا۔

جنرل کول نے اپنی کتاب "The Untold Story" میں بھارتی افواج کے کمانڈر اعلیٰ کو خوب کوسا اور ستمبر 1965ء میں بھارتی افواج کی کارکردگی پر جنرل چودھری کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا۔ اس نے صاف لکھا: ہم بھارتی لوگ پاکستان کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ تھے، اسی طرح فوجی امور میں بھی۔ پھر ہمیں کیا ہو گیا؟ ہمیں ان جملہ وسائل کے ہوتے ہوئے اور برتر ہونے کے باعث پاکستان کو شکست دینا چاہئے تھی لیکن صاف اور سیدھی بات ہے کہ ہم پاکستان کو شکست نہیں دے سکے۔

(پاکستان حصار اسلام، مصنفہ پروفیسر محمد منور، صفحہ نمبر 268-269)

تاریخی حقیقت کو کبھی فراموش نہ کیا جائے۔ پاکستان ایشیا کے مسلمانوں کا ہی قلعہ نہیں بلکہ عالم اسلام کا مضبوط قلعہ ہے اگر یہ مستحکم ہو گا تو سارے عالم اسلام کے لیے استحکام کا سبب ہو گا اگر یہ قلعہ کمزور ہوا تو پورا عالم اسلام متاثر ہو گا۔ اس لیے اسے مضبوط اور مستحکم کرنے اور اس کے دفاع کے لیے جو جذبہ 6 ستمبر 1965ء کی جنگ میں تھا اسی جذبے کو زندہ رکھنے سے پاکستانی قوم ہمیشہ زندہ رہے گی۔

یومِ تکبیر کا پیغام

28 مئی 1998ء کا یادگار دن:

اللہ کی کبریائی، قوت، طاقت، حشمت، جبروت اور عظمت کے سامنے دنیا بھر کی طاقتوں کی حیثیت پرِ کاہ کی بھی نہیں، یہی ہمارا عقیدہ اور نظریہ ہے۔ اہلیان پاکستان کی خوش نصیبی ہے کہ وہ جس خطے میں بستے ہیں اس کی بنیاد اسی نظریے پر قائم ہے، اس لیے پاکستانی قوم اللہ کی کبریائی کے آگے سرنگوں جبکہ مغربی و استعماری قوتوں کے سامنے سینہ سپر رہتی ہے، یہ قوم دنیا بھر میں امن و آشتی کی نہ صرف دعوے دار بلکہ علمبردار ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ریاست پاکستان نے ہمیشہ اپنے قومی و ملی مفادات سے بالاتر ہو کر خطے میں قیام امن کے لیے بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ پاکستان ؛اسلامی، فلاحی، جمہوری اور خود مختار آزاد جوہری ریاست ہونے کے ناطے دنیا میں اپنا بلند مقام اور غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے۔ حدود اربعہ کے اعتبار سے جہاں یہ معاشرتی طور پر حسن و جمال اور خوبصورتی کا حامل ملک ہے وہاں پر معاشی و اقتصادی طور پر بھی پائیدار اور مضبوط مملکت ہے، یہی وجہ ہے اسے عالمی سطح پر قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اس کی ان ہمہ جہت خوبیوں کی بدولت بعض ممالک بالخصوص ہمسایہ ملک ہندوستان از حد حسد کا شکار ہے۔ اپنی آزادی سے لے کر اب تلک پاکستان نے جن مشکل حالات میں اپنا تعمیر و ترقی کا سفر جاری رکھا ہوا ہے یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اللہ کریم کا یہ بھی احسان ہے کہ اس نے پاکستان کو ایٹمی قوت اور جوہری طاقت بنا کر ناقابل تسخیر ریاست بنایا، جس پر پوری قوم کے سر سجدہ شکر سے

کبھی نہیں اٹھ سکتے۔

ممکن ہے کہ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال گردش کرتے ہوں کہ آخر اسے ایٹمی طاقت بننے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

کیا پاکستان اس جوہری قوت کے بل بوتے دنیا پر بالخصوص ہمسایہ ممالک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے؟

اور کیا ایٹمی طاقت بننے کے بعد پاکستان کے رویے میں تشدد دَر آیا ہے؟

کیا بین الاقوامی دنیا میں یہ کام صرف پاکستان نے ہی کیا ہے؟

کیا پاکستان کی ایٹمی طاقت سے دنیا کو کوئی خطرہ ہے؟

ان سوالات کا جواب جاننے کے لیے معمولی سا پس منظر جاننا ضروری ہے۔

28 جولائی 1914ء کو پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی اور 11 نومبر 1918ء کو ختم ہوئی، اس میں دو کروڑ تیس لاکھ افراد لقمہ اجل بنے، اس کے بعد دوسری جنگ عظیم یکم ستمبر 1939ء کو شروع ہوئی اور اگست 1945ء میں ساڑھے سات کروڑ انسانی ہلاکتوں کے ساتھ اختتام کو پہنچی۔

اگرچہ اس جنگ سے بہت نقصان ہوا لیکن برصغیر کے عالمی منظر نامے پر اس کے بہتر اثرات مرتب ہوئے برطانیہ جو پہلے برصغیر پر قابض تھا وہ اس جنگ میں معاشی طور پر کمزور ہوا، دوسری طرف برصغیر کے لوگوں نے سیاسی و مذہبی رہنماؤں کی زیر قیادت برطانیہ کے تسلط کو جرات و بہادری اور حکمت عملی کی بدولت ختم کر دیا۔

اس دوسری جنگ عظیم میں پی ایس گل نامی ہندوستانی شخص بھی شریک تھا جو جنگ ختم ہونے کے بعد ہندوستان واپس پلٹا، کچھ ہی عرصہ کے بعد پاکستان اور ہندوستان الگ الگ ہو گئے اور متحدہ برصغیر تقسیم در تقسیم کے عمل سے گزرا۔

برصغیر کو برطانیہ سے آزادی دلانے میں مسلمان رہنما پیش پیش رہے لیکن

براہو عصبیت کا ہندو وہ احسان فراموش قوم ہے جو آزادی دلانے والے مسلم رہنماؤں کے احسانات بھی فراموش کر بیٹھی، ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے، مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، اس لیے مظلوم مسلمانوں کو الگ وطن کی ضرورت پیش آئی، جو اللہ نے پاکستان کی صورت میں یہاں کے اہل اسلام کو عطاء کی۔

تقسیم برصغیر کے بعد 1947ء سے لے کر 1964ء تک ہندوستان کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو رہے۔ نہرو نے 1954ء میں ہندوستانی جوہری منصوبہ کے لیے بطور خاص پی ایس گل کو تعینات کیا چونکہ پی ایس گل جو دوسری جنگ عظیم میں جوہری ہتھیاروں سے واقف ہو چکے تھے،اسی دوران ہندوستان نے ایٹمی طاقت بننے کے لیے ابتدائی عملی اقدامات رفتہ رفتہ شروع کر دیے تھے۔

1965ء میں ہندوستان نے پاکستان پر حملے کی حماقت کی جس کا خمیازہ اسے بری طرح بھگتنا پڑا، یہی وہ وقت تھا جب پاکستان نے جارحانہ عزائم رکھنے والے اس دشمن سے اپنے تحفظ کے بارے میں سوچنا شروع کیا، ہندوستان کو دہشت گردی سے باز رہنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔

ہندوستان کے مذموم مقاصد اس وقت عیاں ہونا شروع ہوئے جب 1968ء میں اس نے جوہری عدمِ انتشار کے معاہدہ پر دستخط کرنے سے انکار کیا۔

1974ء میں ہندوستان نے اندرا گاندھی کے زیرِ قیادت اپنا پہلا جوہری تجربہ کیا۔ اس کی وجہ سے خطے کا امن خطرے میں پڑنا شروع ہو گیا تھا، طاقت اور قوت کے بل بوتے ہندوستان کی بدمست آنکھوں میں پاکستان کو مسخر کرنے کے خواب آنا شروع ہوئے۔

3 جون 1994ء کو ہندوستان نے پرتھوی میزائل کا تجربہ کیا، یہ پاکستانی شہروں کے اندر ہتھیار لے جانے کی صلاحیت رکھنے والے اوسط رینج کے میزائل تھے

جسے اسی مقصد کے لیے بنایا گیا تھا۔

جون 1997ء میں ہندوستان نے اپنے میزائل پاکستانی سرحدوں کے قریب منتقل کر دیے۔

13 مئی 1998ء راجستھان کے پوکھرن علاقہ میں ہندوستان نے وزیرِ اعظم مسٹر اٹل بہاری واجپائی کی زیرِ قیادت زیرِ زمین جوہری تجربہ کیا اور ساتھ ہی تمام سفارتی معیاروں کو نظر انداز کرتے ہوئے پاکستان کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔

جس کا خدشہ تھا وہی ہونے لگا، ہندوستان کے پاکستان مخالف جارحانہ عزائم سے دنیا آگاہ ہوئی، یہ نہ صرف پاکستان کی خود مختاری پر حملہ اور اس کی عام شہری آبادی پر جوہری بمباری کا خطرہ تھا، بلکہ ایک عاقبت نااندیش پڑوسی کے مستقل قبضہ اور اپنی آئندہ نسلوں کے لیے ایک غیر محفوظ مستقبل کا عندیہ تھا۔

مذکورہ بالا تمام حالات و واقعات اس بات کے متقاضی تھے کہ اب اہلیان پاکستان کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے، قوم کا مورال بلند کیا جائے اور حوصلوں کو پست نہ ہونے دیا جائے، دشمن کے غرور کا سر نیچا کیا جائے۔ اب پاکستان کے پاس دو ہی راستے تھے یا تو عالمی برادری کے ذریعے ہندوستان کے جارحانہ عزائم کو ختم کیا جاتا یا پھر خود جوہری قوت کا مظاہرہ کیا جاتا۔

پہلی بات بے سود تھی کیونکہ ہندوستان اس کے لیے قطعاً آمادہ نہیں تھا چونکہ اس کا مشاہدہ 1968ء میں جوہری عدم انتشار کے معاہدے سے انکار کی صورت میں وہ پہلے بھی کر چکا تھا۔

اب دوسری صورت یقینی تھی اور وہ تھی کہ پاکستان خود ایٹمی طاقت بن کر تمام کمزور ممالک خصوصاً مسلم دنیا کے لیے مضبوط سہارا بنے، چنانچہ تمام دھونس دھمکیوں اور دباؤ کے باوجود پاکستان کی قیادت نے جرات مندانہ قدم اٹھایا اور 28 مئی

1998ء کو محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے بلوچستان کے راس کوہ چاغی علاقہ میں غوری میزائل کا کامیاب جوہری تجربہ کیا۔

اس جوہری تجربے نے پاکستان کو فخریہ طور پر عالمی سطح کی ایک باصلاحیت جوہری طاقت کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ پاکستان مسلم امت کی واحد جوہری طاقت ہے، آج اس بات کو کئی سال ہو گئے لیکن قوم کا جذبہ آج بھی ویسا ہی ہے جیسا سالوں پہلے تھا۔ آج بھی پاکستانی قوم بجاطور پر خود کو ناقابل تسخیر شمار کرتی ہے اور اقوام عالم میں اس کا سر فخر سے بلند ہے، اسی دن کو یوم تکبیر کے طور پر منایا جاتا ہے۔

اسی بات کا عزم دہرانے کے لیے یوم تکبیر منایا جاتا ہے کہ پاکستانی قوم اللہ کے فضل و کرم سے ناقابل تسخیر قوم ہے اور مملکت خداداد پاکستان کے استحکام، تحفظ اور سالمیت و بقاء کے لیے کسی دباؤ کو قبول نہیں کرتی۔

یہ جوہری منصوبہ پر امن پاکستان کا ضامن ہے۔ یہ ہر ملک کا ریاستی حق ہے کہ وہ اپنی حفاظت کا بندوبست کرے، ہر ملک اپنی سرحد کو دشمن کے جارحانہ اقدامات سے محفوظ کرنے کے لیے دفاعی حق رکھتا ہے، اسی طرح پاکستان بھی اس کا حقدار ہے۔

آج ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ ایٹمی قوت بننے کے باوجود پاکستان نے ہمسایہ ممالک کے ایک انچ پر بھی قبضہ نہیں کیا۔ ایٹمی قوت بننے کے باوجود پاکستان کے رویے میں نرمی ختم نہیں ہوئی، ایٹمی قوت بننے کے باوجود بھی دنیا کے کسی ملک کو پاکستان سے خطرہ نہیں۔

ایٹمی قوت صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ اور بہت سارے ممالک ہیں لیکن ان میں اور پاکستان کے ایٹمی قوت بننے میں بنیادی فرق یہ ہے کہ باقی ممالک ایٹمی قوت کی بدولت دنیا پر قبضے کے خواب دیکھتے ہیں، تباہی مچاتے ہیں، انسانیت کو موت کے گھاٹ اتارتے ہیں جبکہ پاکستان اسے صرف اپنے دفاع کے لیے استعمال کرنے کا حق اپنے

پاس محفوظ رکھتا ہے۔

اہلیان پاکستان اس دن تجدید عہد کرتے ہیں کہ ہماری بہادر افواج، ہمارے ادارے، قانون دان، قانون نافذ کرنے والے ادارے، ہماری تاجر برادری، سیاسی و مذہبی رہنما اور عوام سب ملک کی حفاظت اور استحکام کو یقینی بنائیں گے جان کی بازی لگادیں گے لیکن وطن پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔

آج ہم سب کو پاکستان کے دفاع کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لیے اپنی صلاحیتیں خرچ کرنا ہوں گی، کیونکہ بین الاقوامی میڈیا اس تریاق کو زہر کا لیبل لگا کر پیش کررہا ہے، اور سیاسی محاذوں پر اس کو منفی شکل دینے پر تلا ہوا ہے، آج وطن عزیز پاکستان کی معاشی ترقی اور اقتصادی خوشحالی سے خائف ہو کر ہندوستان اور اس کے حلیف ممالک دہشت گردانہ کارروائیاں کرا کے کھوکھلا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ پاکستان مخالف بھارت دوست ممالک کے گٹھ جوڑ کے شاخسانے آئے دن ساری دنیا دیکھ رہی ہے اور بین الاقوامی دنیا محض تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہے۔

اس لیے ہمیں کسی پر بھروسہ کرنے کے بجائے یوم تکبیر کے اس پیغام کو سمجھنا ہو گا کہ اللہ کی کبریائی، قوت، طاقت، حشمت، جبروت اور عظمت کے سامنے دنیا بھر کی طاقتوں کی حیثیت پرِ کاہ کی بھی نہیں، یہی ہمارا عقیدہ اور نظریہ ہے۔

7 ستمبر 1974ء کا یادگار دن

قومی اسمبلی پاکستان نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا:

بعض تحریکیں بعض تاریخوں کو "تاریخ" بنا دیتی ہیں۔ جیسے 1953ء کی تحریک ختم نبوت نے 7 ستمبر 1974ء کو تاریخ بنایا۔ اسلامیانِ پاکستان نے حصولِ آزادی وطن کی بنیاد کلمہ طیبہ پر رکھی۔ ان کے رگ وریشے میں کلمہ طیبہ اپنی حقیقت و معنویت کے ساتھ موجود ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی اس کلمہ کے الفاظ و معانی اور حقیقت میں ردوبدل کر سکے؟ یہاں کے مسلمان غربت، کرپشن، مہنگائی، بے روزگاری اور اقتصادی بحرانوں کو سہہ سکتے ہیں۔ لیکن اسلامی نظریات بالخصوص ناموس رسالت اور ختم نبوت جیسے عظیم الشان اور حساس موضوع پر مداہنت سے کام نہیں لے سکتے۔ حکمت کے نام پر بے حمیتی کا کسی طور پر اظہار نہیں کر سکتے۔ اس دعوے کی ایک دلیل 7 ستمبر 1974ء کا وہ تاریخ ساز فیصلہ ہے جو عوامی طاقت نے جمہوری و سیاسی زبان سے صادر کیا۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ:

پاکستان کے سابق وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ حکومت میں 22 مئی 1974ء کو نشتر میڈیکل کالج ملتان کے کچھ طلبہ معلوماتی و تفریحی سفر کے لیے چناب نگر کے راستے پشاور جا رہے تھے کہ چناب نگر ریلوے سٹیشن پر قادیانیوں نے اپنا کفریہ لٹریچر تقسیم کرنے کی کوشش کی، جس پر طلبہ نے اس لٹریچر کو لینے سے انکار کیا اور ایمانی غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے۔

طلبہ کا یہ قافلہ 29 مئی کو واپس ہونے لگا تو نشتر آباد اسٹیشن (جو کہ چناب نگر اسٹیشن سے پہلے آتا ہے) پر قادیانی اسٹیشن ماسٹر نے چناب نگر کے قادیانی اسٹیشن ماسٹر

کو بتلایا کہ فلاں بوگی طلبہ کی ہے۔ چنانچہ خلافِ ضابطہ چناب نگر ریلوے سٹیشن پر گاڑی روک لی گئی سینکڑوں مسلح افراد جس میں قادیانیوں کے قصر خلافت کے معتمدین، تعلیم الاسلام کالج کے طلباء، اساتذہ اور بعض قادیانی دکانداروں نے لاٹھیوں سریوں، ہاکیوں، کلہاڑیوں اور برچھیوں کے ساتھ حملہ کر کے 30 نہتے طلبہ کو شدید زخمی دیا۔ قادیانی اپنے ساتھ بازاری فطرت کی تین سو کے قریب عورتیں بھی لائے جب قادیانی غنڈے مسلمان طلبہ کو مارتے تو وہ رقص کرتیں اور تالیاں بجاتیں۔ دریں اثنا نشتر میڈیکل کالج یونین کے صدر ارباب عالم کو اتنے زور سے مارا کہ وہ بے ہوش گئے۔ اِس واقعہ کا پورے ملک میں زبردست ردِ عمل ہوا۔

30 مئی کو لاہور اور دیگر شہروں میں ہڑتال ہوئی۔ 31 مئی کو اس سانحے کی تحقیقات کے لیے صمدانی ٹربیونل کا قیام عمل میں آیا۔ 3 جون کو مجلس عمل کا پہلا اجلاس راولپنڈی میں منعقد ہوا۔ 9 جون کو مجلس عمل کا کنوینیئر لاہور میں مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کو مقرر کیا گیا۔ 13 جون کو وزیر اعظم نے نشری تقریر میں بجٹ کے بعد مسئلہ قومی اسمبلی کے سپرد کرنے کا اعلان کیا۔ 14 جون کو ملک گیر ہڑتال ہوئی۔ 16 جون کو مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کا فیصل آباد میں اجلاس ہوا جس میں حضرت بنوری کو امیر منتخب کیا گیا۔ 30 جون کو قومی اسمبلی میں ایک متفقہ قرارداد پیش ہوئی جس پر غور کے لیے پوری قومی اسمبلی کو خصوصی کمیٹی میں تبدیل کر دیا گیا۔ 24 جولائی کو وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ جو قومی اسمبلی کا فیصلہ ہو گا وہ ہمیں منظور ہو گا۔ 5 اگست سے 23 اگست تک وقفوں وقفوں سے مکمل گیارہ دن مرزا ناصر پر قومی اسمبلی میں جرح ہوئی۔

20 اگست کو صمدانی ٹربیونل نے اپنی رپورٹ سانحہ ربوہ کے متعلق وزیر اعلیٰ کو پیش کی۔ 22 اگست کو رپورٹ وزیر اعظم کو پیش کی گئی۔ 24 اگست کو وزیر اعظم نے

فیصلہ کے لیے 7 ستمبر کی تاریخ مقرر کی۔ 27، 28 اگست کو لاہوری گروپ پر قومی اسمبلی میں جرح ہوئی۔ یکم ستمبر کو لاہور شاہی مسجد میں ملک گیر ختم نبوت کانفرنس منعقد ہوئی۔ 5، 6 ستمبر کو اٹارنی جنرل نے قومی اسمبلی میں عمومی بحث کی اور مرزائیوں پر جرح کا خلاصہ پیش کیا۔ 6 ستمبر کو آل پارٹیز مجلس تحفظ ختم نبوت کی راولپنڈی میں وزیر اعظم سے ملاقات کا فیصلہ کیا۔ اس ساری کارروائی میں قومی اسمبلی نے اڑھائی ماہ کے عرصے میں 28 اجلاس بلائے اور 96 گھنٹوں پر مشتمل نشستیں ہوئیں۔

تمام مسالک کی مذہبی وسیاسی قیادت نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس میں کردار ادا کیا خصوصاً مفکر اسلام مولانا مفتی محمود اور آپ کے رفقاء کار نے قادیانیوں کا لٹریچر جمع کیا، مولانا سید محمد یوسف بنوری، مولانا محمد حیات، مولانا عبدالرحیم اشعر، مولانا تاج محمود، مولانا محمد شریف جالندھری جیسے اکابر نے دن رات ایک کر کے قادیانی کے مذہبی وسیاسی عزائم پر مبنی لٹریچر اکٹھا کیا۔ اس محنت میں قادیانیوں کی مذہبی حصے کی ترتیب و تدوین مفتی محمد تقی عثمانی (سابق جسٹس سپریم کورٹ وفاقی شرعی عدالت) نے جبکہ سیاسی حصے کی ترتیب مولانا سمیع الحق (سابق ممبر سینٹ آف پاکستان) نے اپنے ہاتھوں سے کی۔

7 ستمبر کو قومی اسمبلی میں دستور کی دفعہ 106 میں قادیانی ولاہوری گروپ کو اقلیتوں کی فہرست میں شامل کیا گیا، اور دفعہ 260 میں ایک نئی شق کا اضافہ کیا جس میں یہ طے کیا کہ ”ہر فرد جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت کو پیغمبر یا مذہبی مصلح مانتا ہو وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے ضمن میں مسلمان نہیں۔“ مرکزی وزیر قانون جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے بل پیش کیا۔ ان کے بعد مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ قائد حزب اختلاف کی حیثیت سے اٹھے اور بل کی مکمل تائید کی اور اس اقدام پر وزیر اعظم اور ارکان حزب اقتدار کو خراج تحسین پیش کیا۔ تقریباً پانچ بجے

سپیکر قومی اسمبلی صاحبزادہ فاروق علی نے قائد ایوان ذوالفقار علی بھٹو کو اظہار خیال کی دعوت دی۔ بھٹو صاحب نے آدھ گھنٹے کے لگ بھگ تقریر کی اس کے بعد بل کی ووٹنگ کا مرحلہ شروع ہوا۔

مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لیے 130 ووٹ آئے اور قادیانیوں کی حمایت میں ایک ووٹ بھی نہ آیا۔ چنانچہ قومی اسمبلی نے اتفاق رائے سے یہ بل پاس کیا اور مرزائیوں کو ہمیشہ کے لیے غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ 7 ستمبر 1974ء شام 7:30 بجے سینٹ کا اجلاس ہوا، مرکزی وزیر قانون جناب عبدالحفیظ پیرزادہ نے قومی اسمبلی کا منظور شدہ بل سینٹ میں پیش کیا۔

ایوان میں دوبار رائے شماری ہوئی۔ قومی اسمبلی کی طرح سینٹ میں بھی سارے ووٹ مرزائیوں کے خلاف آئے اور ایک ووٹ بھی ان کے حق میں نہ آیا۔ بالآخر 7 ستمبر رات 8:00 بجے ریڈیو پاکستان نے یہ خبر نشر کی کہ مرزائیوں کو قومی اسمبلی اور سینٹ نے متفقہ طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا ہے۔ یہ اعلان سننا تھا کہ لوگ خوشی کے مارے سڑکوں پر نکل آئے، ایک دوسرے کو مبارکبادیں دیں۔ اس فیصلے نے جہاں اہلیان پاکستان کے دینی جذبات کی مکمل ترجمانی کی وہاں پر پوری دنیا کے مسلمانوں میں اسلامیان پاکستان کی قدر کو بھی بڑھا دیا کہ پاکستان کے مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر کسی کو ڈاکے ڈالنے کی قطعاً اجازت نہیں دے سکتے۔

موجودہ حکومت ملک سے دہشت گردی اور تخریب کاری کو ختم کرنے میں سنجیدہ ہے۔ تو اسے حالات و مشاہدات کے پیش نظر قادیانیوں کی اسلام و ملک دشمن سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھنی ہوگی۔ تاکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اہلیان وطن کے اسلامی اساسی عقائد کا تحفظ برقرار رہے اور ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ بھی۔

آزاد کشمیر اسمبلی میں عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ

اللہ تعالیٰ نے خطہ کشمیر کو حسن و جمال، رعنایت اور خوبصورتی سے مالا مال فرمایا ہے، بلند قامت پہاڑ، بہتی آبشاریں، بل کھاتی شفاف نہریں، صافی چشمے، دل موہ لینے والی جھیلیں، اچھلتے کودتے دریا، پھلوں کے باغات اور ان میں بسنے والے بااخلاق، ملنسار، محنتی اور جفاکش لوگوں کو دیکھ کر اس حقیقت کو صدق دل سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ فطری خوابوں کی قدرتی تعبیر یہی وادی کشمیر ہے۔

کشمیر کے ضلع باغ سے منتخب ہونے والے میجر محمد ایوب رکن آزاد کشمیر اسمبلی جب حج کے لیے تشریف لے گئے، مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری ہوئی مسجد نبوی کے صحن میں نماز ادا کی مواجہہ شریف کی طرف ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے لیے آگے بڑھے تو یکایک رک گئے، دل میں خیال آیا کہ کس منہ سے حاضری دو گے تمہارے دور اقتدار میں منکرین ختم نبوت قادیانی دندناتے پھر رہے ہیں، کچھ وقت کے لیے جیسے وقت تھم گیا ہو، سوچا اور خدا سے یہ وعدہ کر کے بوجھل قدموں کے ساتھ آگے بڑھے کہ اگر زندگی رہی تو آزاد کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلواؤں گا۔

سردار عبدالقیوم خان مرحوم کے دور اقتدار میں 28 اپریل 1973ء کو قرارداد پیش ہوئی، لیکن آئینی طور پر اس کا نفاذ بوجوہ نہ ہو سکا، قادیانی اس عرصے میں اپنے مکروہ عزائم کی تکمیل میں کوشاں رہے، جبکہ دوسری طرف مسلمان وقتاً فوقتاً اسے آئینی شکل دینے کی کوششیں کرتے رہے۔

12 ستمبر 2014ء کو مختلف مکاتب فکر کے علماء نے حکومت سے اس حوالے سے مذاکرات کیے، مولانا عبدالوحید قاسمی نے ہائیکورٹ آزاد کشمیر میں اسی حوالے رٹ دائر کی، راجہ محمد صدیق رکن اسمبلی آزاد کشمیر نے وزیر اعظم آزاد کشمیر سے مطالبہ کیا کہ ختم نبوت سے متعلق وہ آئینی و قانونی دفعات جو پاکستان میں منظور شدہ ہیں وہ آزاد کشمیر کے آئین و قانون کا حصہ بنائیں، چنانچہ اس حوالے سے ایک کمیٹی بھی بنائی گئی، اجلاس ہوئے جن میں یہ

طے پایا کہ آزاد کشمیر اسمبلی میں ایک بل پاس کیا جائے جس میں ختم نبوت کا حلف نامہ، قادیانیوں کے غیر مسلم ہونے کی صراحت مسلم اور غیر مسلم کی تعریف کو آئین و قانون کا حصہ بنایا جائے۔

6 فروری کو آزاد کشمیر اسمبلی اور کونسل کا مشترکہ اجلاس طلب کیا گیا، بل پیش کیا گیا، عبوری ایکٹ 1974ء میں بارہویں ترمیم کے ذریعے ختم نبوت کے متعلق قانون کو آزاد کشمیر کے آئین کا حصہ بنادیا گیا۔ دی آزاد جموں وکشمیر انٹرکانسٹیٹیوشن ایکٹ 2018ء کے نام سے موسوم اس بل میں قادیانیوں سمیت تمام غیر مسلم ادیان اور مذاہب سے آگاہ کرتے ہوئے مسلمان کی بھی تعریف کردی گئی ہے۔اس بل کی منظوری کے بعد قادیانی خود کو مسلمان ظاہر نہیں کرسکتے۔ مسجد طرز پر اپنا عبادت گاہ تعمیر کرنے، اذان دینے اور تبلیغ کرنے پر بھی پابندی عائد کردی گئی جبکہ جملہ شعائر اسلام جن میں مسجد کے مینار، اپنی عبادت گاہ پر کلمہ اسلام لکھنے سمیت تمام رسومات اور عبادات سرعام کرنے پر قادیانیوں پر پابندی عائد ہوگی۔

اس موقع پر وزیر اعظم آزاد کشمیر راجہ فاروق حیدر نے ایوان سے خطاب کے دوران کہا کہ آئین سازی سے نہ ریاست جموں وکشمیر کی ڈیموکریسی پر کوئی فرق پڑے گا نہ اقوام متحدہ کی قرار دادیں متاثر ہوں گی نہ میں اس سے تحریک آزادی کشمیر پر کوئی فرق پڑے گا، یہ ایمان اور اسلامی تشخص کا معاملہ ہے۔اب قادیانیوں کو اپنی الگ شناخت دینا ہو گی۔ مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کریں اوران کا دل وجان سے احترام کریں جو ایسا نہیں کرے گا وہ مسلمان نہیں ہے آئین میں ترمیم قانون سازی سے کئی فتنے ختم ہو جائیں گے۔

اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے عقیدہ ختم نبوت کو آئین کا حصہ بنایا۔ آزاد کشمیر کے سابق وزیر اعظم سردار عتیق احمد خان نے کہا کہ دنیا میں مذہب کے نام پر غالب اکثریت کے ساتھ قادیانی، احمدی وغیرہ جال بچھائے ہوئے ہیں، وہ مسلمانوں کے دل سے جذبہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جذبہ جہاد ختم کرنے کی سازشوں میں

مصروف ہیں۔ وزیر قانون راجہ نثار احمد خان نے کہا کہ آئین میں ترمیم کے ذریعے مسلم و غیر مسلم کی مکمل نشاندہی کر دی گئی ہے۔ قادیانی نہ تبلیغ کر سکیں گے نہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو استعمال کر سکیں گے۔

اس موقع پر وزیر اعظم آزاد کشمیر راجہ فاروق حیدر، تمام اراکین اسمبلی آزاد کشمیر، سردار عبدالقیوم خان مرحوم سے لے کر اب تک اس بارے کوشش کرنے والے تمام سیاسی و مذہبی زعماء اور عوام مبارک باد کے مستحق ہیں جن کے حسن انتخاب نے کشمیر کے حسن کو حقیقی حسن عطا کر دیا ہے۔

یہ فیصلہ کر کے انہوں نے عالم اسلام کے دل جیت لیے ہیں، کیونکہ قادیانی لوگ اسلام کے بنیادی عقائد کے بارے اہل اسلام سے الگ نظریات رکھتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ مسئلہ کشمیر پر پاکستانی موقف کے حمایت نہیں کرتے، مزید یہ کہ ان کے بھارت سے وفاداریاں نبھانے کی کئی شہادتیں ریکارڈ پر ہیں، اس تناظر میں آزاد کشمیر کی اسمبلی و کونسل کے متفقہ فیصلہ عالم اسلام کے دل کی آواز اور ترجمانی ہے۔

اگرچہ یہ فیصلہ انہی دنوں ہو جانا چاہیے تھا جب پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا لیکن دیر آید درست آید۔ جمعۃ المبارک کے اجتماعات میں علماء کرام نے عقیدہ ختم نبوت کے موضوع پر بیان کیے، عوام میں اس عقیدہ کی اہمیت ذکر کی، قادیانیوں نے دنیا بھر میں اہل اسلام آزاد کشمیر جیسے حساس علاقوں میں قادیانیوں کی تخریبی سازشیں آئینی طور پر دم توڑ گئی ہیں، تاہم اس بات کی ضرورت پہلے سے بھی زیادہ ہے کہ اب ان کی کڑی نگرانی کی جائے اور انہیں آئین کا پابند کیا جائے۔

منتخب نمائندگان کی معاشرتی ذمہ داریاں

وطن عزیز اسلامی جمہوری ملک ہے۔ مجموعی طور پر اہلیان پاکستان اپنے بنیادی جمہوری حق (ووٹ) کا استعمال کر کے اپنے نمائندے چنتے ہیں۔ انتخابات میں کامیاب ہونے والوں کے لیے جیتنے کے بعد ابھی ایک اور مرحلہ باقی ہوتا ہے اور وہ ہے وطن کی تعمیر وترقی، خوشحالی اور خدمت خلق کا۔

آیئے اس بارے میں سیرت طیبہ سے رہنمائی لیتے ہیں۔ اسلام میں وطن کی تعمیر وترقی، استحکام اور سالمیت خوشحالی اور خدمت خلق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ادیان عالم میں اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے کہ جس میں خالق اور مخلوق کے تمام حقوق ادا کرنے کی سختی سے تاکید کی گئی ہے۔ گھر میں رہتے ہوئے والدین، اولاد، بہن بھائی، میاں بیوی۔ گھر سے باہر بڑے چھوٹے، امیر وغریب، رشتہ دار، پڑوسی، محلہ دار، اہل علاقہ اور رعایا و حکمران وغیرہ کے حقوق صحیح معنوں میں ادا کرنے سے صالح معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اس لیے اسلام میں خدمت خلق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اسلام انسانیت کا دین ہے، اس میں رفاہی خدمات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن وسنت میں متعدد احکام اس بارے میں وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔

خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی بھی خالق کی عبادت، رسول کی اطاعت اور انسانیت کی خدمت میں گزری۔ مدینہ طیبہ میں کتنے ایسے گھرانے تھے جن کی کفالت خود خلیفہ وقت کیا کرتے تھے۔ بیواؤں کے گھروں میں پانی بھرنے تک کی خدمات بنفس نفیس خود انجام دیتے۔

خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت "انسانیت کی ہمدردی" کا زمانہ کہلاتا ہے۔ رات کو لوگوں کی مشکلات کو جاننے کے لیے خود گشت فرماتے۔ لوگوں کی شکایات دور فرماتے۔ بیت المال سے خود اپنے کندھے پر سامان لاد کر

خدمت خلق کا فریضہ انجام دیتے۔

خلیفہ سوم سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کڑے حالات میں انسانیت کو راحت بخشی، بئر رومہ سے لے کر مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع تک، لشکر اسلام کی مالی معاونت سے لے کر سلطنت اسلامیہ میں نفاذ امن تک کی داستان انہی کے وجود سے وابستہ ہے۔

خلیفہ چہارم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تو آنکھ ہی خانوادہ نبوت میں کھولی۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تربیت پائی تھی اسی کے مطابق اپنی ساری زندگی بسر کی۔ خدمت خلق کے ان گنت واقعات ایسے ہیں جو آپ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے نصیب میں نہیں آئے۔ خلفاء راشدین کے بعد صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کی زندگیاں خدمت خلق کا ایسا عمدہ نمونہ تھیں کہ آج تلک دنیا ان کی مثال لانے سے عاجز ہے۔

امن اور استحکام:

اسلام اپنے اندر بے پناہ جامعیت رکھتا ہے۔ اس میں عقائد و نظریات کی درستگی و پختگی، عبادات کی تعیین اور طریقہ کار، اعمال و احوال کی اصلاح، معاشرتی طرز زندگی، باہمی معاملات اور اخلاقیات سب کچھ بدرجہ اتم موجود ہے۔ اسلام میں معاشرتی طرز زندگی کے بنیادی طور پر دو اہم اجزاء ہیں۔ امن اور استحکام

امن کے مفہوم میں وسعت ہے کسی کو کسی سے جانی، مالی اور عزت و آبرو کا خطرہ باقی نہ رہے۔ رہن سہن میں سہولت اور آسانی کو ملحوظ رکھا جائے تاکہ معاشرے کا ہر فرد بشر سکون کی زندگی گزار سکے۔ سیرت طیبہ کی روشنی میں معاشرتی زندگی کا لائحہ عمل انتہائی سادہ، پر سکون اور پر امن ہے۔ آج سے چودہ سو سال قبل جزیرہ نمائے عرب میں ایک پر امن اور مستحکم ریاست کی ہم ایک جھلک دیکھتے ہیں:

مسجد نبوی ہے اس کو مرکزی سیکرٹریٹ کا درجہ حاصل ہے۔ اس کی طرزِ تعمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کرائی کہ مدینہ کی تمام گلیاں براہ راست یہاں تک پہنچتی ہیں، کسی کو پہنچنے میں کسی طرح کی کوئی دشواری نہیں، کوئی راستہ پُرپیچ بے ہنگم اور آلودہ نہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دارالحکومتوں کی بنیادیں اسی اصول کے مطابق رکھی جارہی ہیں کہ سربراہ اعلیٰ کی رہائش چاروں طرف سے میل کھاتی سڑک کے رو برووسط میں ہو۔

مسجد نبوی کے صحن میں طب کا ہسپتال بنایا گیا جہاں مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا تھا جسے آج کی زبان میں فری ڈسپنسری کا نام دیا جاتا ہے۔ آج کی ترقی یافتہ اقوام نے اسی کو بنیاد بناکر شہری آبادی میں فری ڈسپنسریز کا جال بچھایا ہوا ہے بلکہ یورپ میں تو عام شاہراہوں پر بھی وقفے وقفے سے ہسپتال قائم ہو رہے ہیں تاکہ دوران سفر اگر کوئی مسافر بیمار پڑ جائے تو اسے جلد طبی امداد دی جاسکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ کی گلیاں اتنی وسیع رکھو کہ سامان سے لدے ہوئے دو اونٹ آرام سے گزر سکیں آج کی ترقی یافتہ اقوام نے اسی کو بنیاد بناکر شہری آبادی میں اتنی وسیع سڑکیں بنائیں ہیں کہ جہاں سے بیک وقت دو گاڑیاں آسانی سے گزر سکیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شہر سے قریب محی النقیع نامی سرسبز سیر گاہ بنوائی ارد گرد پھولدار خوبصورت پودے لگوائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین گاہے بگاہے اس کی سیر کو نکل جاتے۔ آج کی ترقی یافتہ اقوام کی یہ چیز پہچان ہے کہ وہاں خوبصورت روح افزاء پارکس اور تفریح گاہیں موجود ہوتی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں یہ ملتا ہے کہ درخت لگانا صدقہ جاریہ

ہے آپ نے عرب کے ماحول کے مطابق کھجوروں کے باغات پے باغات لگوائے۔
آپ نے فرمایا کہ کوئی علاقہ فتح ہو تو بھی درختوں کو آگ نہ لگاؤ آج کی ترقی یافتہ دنیا نے جب یہ دیکھا کہ عالمی درجہ حرارت بڑھ رہا ہے۔ گلیشئر پگھل رہے ہیں۔ گرمی بڑھ رہی ہے اوزون کی تہہ پھٹتی ہی چلی جارہی ہے اور انسانی معاشرے کے لیے مفید آکسیجن جو درختوں سے حاصل ہوتی ہے اس کی مقدار میں کمی آرہی ہے تو ہزاروں ایکڑز پر نئے جنگلات کی آباد کاری کر کے حکومتی سطح پر محکمہ جنگلات قائم کر دیے تا کہ قدرتی حسن کے نظاروں میں بھی اضافہ ہو اور ماحولیاتی آلودگی بھی کم سے کم ہو سکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مدینہ شریف کے عین وسط میں مرکزی مارکیٹ قائم کی جائے۔ تجارت میں تین باتوں کو ملحوظ رکھا جائے: سامان میں ملاوٹ نہ کی جائے۔ ذخیرہ اندوزی نہ کی جائے اور سودی کاروبار بھی نہ کیا جائے مزید یہ کہ مارکیٹ پر ٹیکس نہ لگایا جائے۔ آج کی ترقی یافتہ اقوام مالیاتی بحرانوں سے جان چھڑانے کے لیے انہی اصولوں پر لوٹ رہی ہے۔

مدینہ منورہ میں ایک شخص نے میں آگ کی بھٹی لگائی جس کی وجہ سے آس پاس کے لوگوں کو تکلیف پہنچی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو پیغام بھیجا کہ کیا تم ہمارے بازار بند کروانا چاہتے ہو؟ ایسا کاروبار شہر سے باہر جا کر کرو۔ آج کی ترقی یافتہ اقوام اسی اصول کو بنیاد بنا کر شہری حدود سے باہر فیکٹریاں اور انڈسٹریل زون قائم کر رہی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ایک شہر کی آبادی حد سے بڑھنے لگے تو شہر روک دو نیا شہر بساؤ۔ یہی بات جب مفکر پاکستان علامہ اقبال مرحوم نے اٹلی کے مطلق العنان سابق ڈکٹیٹر مسولینی سے کی۔ تو مسولینی علامہ مرحوم کا حیرت سے منہ تکتا رہ گیا اور بے ساختہ ہو کر کہنے لگا: What an excellent idea کیا ہی

بہترین نظریہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے تمام قبائل کو اکٹھا کر کے 53 نکات پہ مشتمل چارٹر آف مدینہ مرتب کرایا جسے میثاقِ مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ پہلا باضابطہ منظم دستور و آئین تھا جس نے مجموعی طور پر دو کارنامے سرانجام دیے۔ ایک بھرپور معاشی ترقی کرتے ہوئے تجارت کی راہ ہموار کی دوسرا یہ کہ اس سے باہمی خانہ جنگی اپنی موت آپ مر گئی اور دیگر اقوام پر ریاست مدینہ کی مضبوط داخلی و خارجی پالیسی کی دھاک بیٹھ گئی۔ جس کی بدولت ریاست اندرونی و بیرونی طاقتوں سے محفوظ ہو گئی۔ آج کی دنیا اپنی ایسی ہی داخلی و خارجی پالیسی بنانے کی خواہش مند ہے اور اسی کو پرامن اور مستحکم ریاست کا پیش خیمہ قرار دیتی ہے۔

یہ اسلام کی معاشرتی طرز زندگی کا بنیادی ڈھانچہ ہے۔ ہم سب کو اس طرز پر زندگی گزارنی چاہیے۔ بالخصوص انتخابات میں عوامی مینڈیٹ حاصل کر کے کامیابیاں حاصل کرنے والوں سے گزارش ہے کہ خدمت خلق کو دین سمجھ کر کریں۔ اپنے شہر کو امن اور استحکام کا گہوارہ بنائیں۔ قوم سے کیے گئے وعدوں کو پورا کریں۔ لوگوں کے مسائل کے حل کے لیے اپنی خداداد صلاحیتوں اور اپنے اختیارات کو بروئے کار لائیں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

امیدوار کیسا ہو اور کیا کرے؟

پاکستان ایک اسلامی جمہوری ملک ہے۔ عوام ایک مخصوص مدت کے بعد الیکشن کے ذریعے اپنے نمائندے چنتے ہیں۔ بحیثیت ایک پاکستانی شہری میری طرح ہر شخص کی خواہش ہے کہ انتخابات کا مرحلہ خیر و عافیت سے مکمل ہوا کرے اور وطن عزیز کو صادق و امین، نیک، صالح، منصف مزاج، رعایا پرور، اسلام اور وطن دوست حکمران میسر آئیں۔

اپنی زندگی میں آنے والے تمام انتخابات میں ہم نے ذمہ دار شہری ہونے کا ثبوت مہیا کرنا ہے۔ ہم نے اپنی جان سے پیارے ملک میں ایسے افراد کا انتخاب کرنا ہے جو ہماری ہمہ قسمی ضروریات و مشکلات سے بخوبی واقف ہوں اور ان کو حل کرنے کی اہلیت بھی رکھتے ہوں۔ ہماری نسلِ نو کو علم و کردار کی راہ پر لا بھی سکیں اور پروان بھی چڑھا سکیں۔ ہمارے تعلیمی نظام، اقتصادی نظام اور معاشی نظام کو مستحکم کر سکیں۔

خوشحالی کی ضمانت:

زمینی حقائق اس پر شاہد ہیں کہ متذکرہ بالا اوصاف کا حامل وہ طبقہ جو لیاقت و استعداد اور قابلیت کے ساتھ ساتھ اخلاص و تقویٰ، فہم و ذکاء، بصیرت و فراست، قانون سازی، معاملہ فہمی اور اصول ہائے جہانبانی کو بروئے کار لا کر معاشرے میں امن و سکون، راحت و چین، سلامتی و وقار اور ترقی و خوشحالی لا سکتا ہے وہ؛ وہ طبقہ ہے جو محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا شناور ہو۔ جو آفاقی قوانین، سماوی اصول و قواعد سے واقف ہو، جو عدل و انصاف کو معاشرے کی اہم ضرورت سمجھتا ہو اور عملاً اس کا نفاذ بھی کر سکتا ہو، جو آئین اور قضاء کا بخوبی علم رکھتا ہو، جو تعزیرات اسلامیہ اور ملکی قوانین کو جانتا بھی اور اس کا دفاع بھی کر سکتا ہو۔

اس لیے اپنے حلقوں میں نامزد ہونے والے امیدواروں کی خوب پہچان کیجیے، ایسے پر آشوب حالات میں جب استعماری قوتیں، لادین طاقتیں، غیر مسلم لابیاں اور دین دشمن طبقات کے شر انگیز شرارے ہمارے اعتقادات، ہمارے کلچر، ہماری تہذیب، ہماری ثقافت، ہماری طرزِ معاشرت یہاں تک کہ ہماری پہچان کو جلا کر بھسم کرنے پر تلے ہوں۔

ہماری ملکی وقومی دینی وایمانی غیرت اور وقت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم اپنے اس انتخابی عمل میں ان لوگوں کو منتخب کریں جو تدبر وسیاست کے میدان میں ہمارے موجودہ اور آنے والے مشکلات وخطرات کو بالکل ختم نہ سہی کم تو ضرور کر سکیں۔

سیاسی کارکنوں اور امیدواروں سے گزارش:

چونکہ الیکشن کے دنوں میں تمام سیاسی جماعتیں اور ہر امیدوار الیکشن مہم چلاتے ہیں، اس لیے بطور خاص چند گزارشات ان کی خدمت میں عرض کرنی ہیں۔

1: ہر کام اللہ کو راضی کرنے کے لیے کریں۔

2: نام ونمود اور شہرت کے حصول سے بچیں۔

3: صرف عوام سے ووٹ لینے کے لیے جھوٹ نہ بولیں۔

4: اپنے حلقے کے دوسرے امیدوار پر تہمتیں نہ لگائیں۔

5: گالم گلوچ، بدزبانی، دوسرے کو برے القاب سے پکارنا، غیبت، الزام تراشی اور بہتان طرازی جیسے کبیرہ گناہوں سے بچیں۔

6: اپنی مہم کو غیر شرعی کاموں ناچ گانا، موسیقی، ڈانس سے دور رکھیں۔

7: اپنے کارکنوں کو صبر وتحمل اور ملکی سالمیت واستحکام کا عملی سبق دیں۔

8: اسلام اور آئین پاکستان کی حدود میں رہ کر الیکشن مہم چلائیں۔

9: خدمت خلق اسلامی اور انسانی فریضہ ہے، اسے صرف الیکشن میں کامیاب

ہونے تک محدود نہ رکھیں بلکہ ساری زندگی کا اصول بنالیں۔

10: الیکشن مہم کے دوران فرائض واجبات خصوصاً نماز وغیرہ کو قطعاً نہ چھوڑیں۔

11: پیار و محبت کی فضاء عام کریں، یہ نہ ہو کہ ہماری اس مہم میں رشتہ داری، محلہ داری، برادری، تعلق داری اور رواداری سب ہی داؤ پر لگ جائے۔

12: ووٹ آزاد جمہوری عمل ہے، اس میں اپنے منصب اور شخصیت سے کسی کو خوف زدہ نہ کریں اور کسی کو بھی مجبور نہ کریں۔

13: اس موقع پر لوگوں سے قرآن پر ہاتھ رکھوا کر قسمیں نہ لیں۔

14: کسی طرح کی بلیک میلنگ نہ کریں۔

15: کامیاب ہونے کے بعد اللہ کا شکر ادا کریں اور عوام سے کیے گئے وعدے پورے کریں۔

عوام سے درخواست:

عوام کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کریں، سودا بازی نہ کریں، یاد رکھیے! اگر ایک شخص نے بھی اپنی شرعی شہادت کا صحیح استعمال نہ کیا اور کرپٹ قسم کے نااہل بے دین لوگوں کو لالچ یا دھونس دھمکی سے ڈر کر غلط ووٹ کاسٹ کیا تو ہماری آنے والی نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی اور ہم پھر ایک طویل عرصے تک پر سکون، پر امن اور ترقی یافتہ معاشرے سے کوسوں میل پیچھے جا کھڑے ہوں گے۔ بعد میں حسرت وافسوس سے ہاتھ ملتے رہیں گے اور ندامت و ناامیدی کی اس زندگی کا ایک ایک سانس ہم سے شکوہ کناں ہو گا۔

امیدواروں سے وابستہ امیدیں

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو متبع اسلام اور محب وطن حکمران عطاء فرمائے یہ ملک اسلام کی نظریاتی بنیادوں پر قائم ہوا ہے اس لیے تمام اہلیان پاکستان کی مشترکہ دو ضرورتیں ہیں، اسلام اور پاکستان۔ عام انتخابات میں ووٹ دیتے وقت ان کو ملحوظ رکھنا ازحد ضروری ہے۔

کوشش کریں کہ صحیح العقیدہ محب وطن عالم دین کو ووٹ دیں اور اگر آپ کے حلقے میں ایسا امیدوار موجود نہ ہو تو پھر محب وطن شخص کا انتخاب کریں، اس کے لیے ملکی اداروں کے رجحان کو ترجیح دیں۔ آپ کے پاس آپ کے حلقہ کے امیدوار تشریف لائیں گے تو ان کے سامنے درج ذیل "حلفیہ عہد نامہ" پر دستخط کرائیں اور آخر میں دو گواہوں کے دستخط بھی لے لیں۔

امیدواروں سے یہ بھی التماس ہے کہ ان شرائط کو تسلی سے اچھی طرح پڑھ کر دستخط کریں اور اسلام کے "ایفائے عہد" کے حکم کو ذہن نشین رکھیں۔

نوٹ: دوسرے صفحہ پر حلفیہ عہد نامہ دیا جارہا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حلفیہ عہد نامہ:

میں مسمیٰ.........................بن.........................امیدوار حلقہ.............................

اس بات کا حلفیہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر......میں انتخابات میں کامیاب ہوا تو

1: دستور پاکستان کے مطابق ملک میں نفاذ اسلام کی پوری کوشش کروں گا۔

2: اسلامی عقائد اور تہذیب کی حفاظت کے لیے آئینی وسیاسی جدوجہد کروں گا

3: ختم نبوت، صحابہ واہل بیت اور اسلام کی مقتدر شخصیات کی ناموس کے لیے اپنا کردار ادا کروں گا۔

4: آئین پاکستان کے مطابق خلاف اسلام کسی قانون کی حمایت نہیں کروں گا۔

5: پاکستان کو حقیقی معنوں میں اسلامی ریاست کے سانچے میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔

6: کرپٹ، لٹیرے اور ظالم سیاستدان طبقے کی قطعاً حمایت نہیں کروں گا۔

7: ملکی اداروں سے ٹکراؤ کی پالیسی ہرگز نہیں اپناؤں گا۔

8: ملک کی اقتصادی ترقی کے منصوبوں کو مزید فروغ دوں گا، اس میں حائل رکاوٹوں کے خلاف عملی جدوجہد کروں گا۔

9: تمام معاشرتی ضروریات (انصاف، تعلیم، صحت اور بہتر روزگار) کے لیے اقدامات کروں گا۔

10: خصوصاً اپنے حلقے کو پرامن، خوشحال اور ترقی یافتہ بنانے میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کروں گا۔

دستخط امیدوار:.......................................

دستخط گواہان: 1:.......................................

2:.......................................

آخری گزارش

سبز ہلالی پرچم لہرائیے!:

دنیا بھر کی اقوام اپنے وطن سے محبت کرتی ہیں اور کرنی بھی چاہیے۔ اسی طرح پاکستانی قوم بھی اپنے وطن سے محبت کرتی ہے، محبت کا اصل مقتضاء تو یہ ہے کہ اس کی تعمیر و ترقی میں اپنی صلاحیتیں کھپا دی جائیں۔ اس کا نام روشن کرنے اور دیگر ممالک کے مقابلے میں پر امن، خوشحال، ترقی یافتہ بنانے میں ہر پاکستانی شہری اپنا کردار ادا کرے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کی ہر قوم اپنے ملکی پرچم کو قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور دیکھنا بھی چاہیے۔ ہمیں بھی سبز ہلالی پرچم کی عظمت کو سمجھنا ہو گا۔ یہ پرچم دیگر ممالک کی طرح محض پرچم ہی نہیں بلکہ اس سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا تشخص ابھر رہا ہے۔ یعنی اسلام اور وطن دونوں کی عظمت کا علَم ہے۔

میں تمام اہلیان پاکستان سے گزارش کرتا ہوں کہ یہ ہم سب کا ملک ہے، اس کی آزادی بہت قربانیوں کے بعد نصیب ہوئی ہے، اس کے یوم آزادی پر ہمیں خوش ہونا چاہیے اور پوری دنیا کو یہ پیغام دینا چاہیے کہ ہم اللہ کی اس دی ہوئے عظیم الشان نعمت پر اس کے حضور سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔ اس لیے یکم اگست سے ہی آپ اپنے گھر، دکان، دفتر، ادارے پر پاکستان کا پرچم لہرا دیا کریں اور بطور خاص 14 اگست کو استحکام پاکستان سیمینار / کانفرنس وغیرہ کا اہتمام کیا کریں۔

اس لیے ہمیں اپنے تعلیمی ادارے، تجارتی مراکز، گھروں اور دفاتر وغیرہ پر سبز ہلالی پرچم لہرانا چاہیے بالخصوص یوم آزادی کے موقع پر اس کا بھرپور اہتمام کرنا چاہیے۔ ہم اس کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدات کی رکھوالی کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دینے کو تیار ہیں۔

مرکز اہل السنت میں پرچم کشائی:

اس حوالے سے قرآن، سنت اور فقہ کی اشاعت و تحفظ کے عالمی ادارے مرکز اہل السنت والجماعت 87 جنوبی سرگودھا میں اس کا بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے۔ یوم آزادی پر مرکز اہل السنت والجماعت میں پرچم کشائی کی تقریب کا جبکہ استحکام پاکستان کے نام سے پُر وقار سیمینار کا بھرپور انعقاد کیا جاتا ہے۔ جس میں تلاوت، نعت، قومی ترانہ اور پاکستان کے استحکام و سالمیت کے عنوان پر پُر مغز بیان ہوتا ہے۔ آخر میں پاکستان کے استحکام کے لیے خوب دعائیں کی جاتی ہیں۔

دردمندانہ اپیل:

میری تمام پاکستانیوں سے دردمندانہ اپیل ہے کہ ملکی ترقی و استحکام کے لیے تمام تر اختلافات بھلا کر اس پرچم کے سائے تلے ایک ہو جائیں۔ یہ ملک اللہ کریم کا انعام، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان، علمائے حق کا احسان، قائد اعظم اور اقبال کی دلی امنگوں کا ترجمان اور مسلمانان برصغیر کی قربانیوں کی عظیم داستان ہے۔ اس کو دہشت گردی، فرقہ واریت اور تخریب کاری سے محفوظ بنانے کے لیے یک دل اور یکجان ہو جایئے۔

آئیں! عزم کریں کہ جیسے ہمارے آباؤ اجداد نے قربانیاں دے کر پاکستان بنایا تھا ویسے ہم قربانیاں دے کر پاکستان بچائیں گے کیونکہ جیسے یہ آپ کا پاکستان ہے بالکل اسی طرح یہ ہے:

"میرا پاکستان"

اسلام زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

خلاصۂ کتاب

سوال: 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد اسلام کے تحفظ کے لیے کون سا راستہ اختیار کیا گیا؟

جواب: دینی مدارس و جامعات بنائے گئے۔

سوال: زیادہ مشہور مدارس کون سے ہیں صرف دو کے نام بتائیں؟

جواب: دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور

سوال: پاکستان کا ابتدائی تصور سب سے پہلے کس عالم دین نے پیش کیا؟

جواب: جون 1928ء میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

سوال: عوام الناس میں اس تصور کو سب سے پہلے کس نے اجاگر کیا۔

جواب: 29 دسمبر الہ آباد میں علامہ محمد اقبال مرحوم نے۔

سوال: تحریک آزادی پاکستان میں کون سا نعرہ لگایا گیا؟

جواب: پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ

سوال: قائد اعظم پاکستان کو کیسا دیکھنا چاہتے تھے؟

جواب: ایک ایسی اسلامی ریاست جہاں قرآن و سنت کا نظام عملاً نافذ ہو۔

سوال: قائد اعظم نے اپنا جنازہ پڑھانے کی وصیت میں کیا کہا؟

جواب: میرا جنازہ علامہ شبیر احمد عثمانی پڑھائیں۔

سوال: قائد اعظم کے جنازے پر کس عالم دین نے تقریر کی اور کیا کہا؟

جواب: علامہ شبیر احمد عثمانی نے۔ قائد اعظم کی خدمات کو سراہا اور پاکستان کے مقصد آزادی پر قائد اعظم کے نظریات سے لوگوں کو آگاہ کیا۔

سوال: قائد اعظم کو وطن واپسی کے لیے کس نے خطوط لکھے؟

جواب: علامہ محمد اقبال مرحوم

سوال: کیا علامہ اقبال مرحوم علماء سے نفرت کرتے تھے؟

جواب: نہیں! بالکل نہیں۔ بلکہ ان سے بے پناہ دلی عقیدت رکھتے تھے۔

سوال: کیا علامہ اقبال کے نظریات لبرل قسم کے تھے؟

جواب: نہیں بلکہ وہ خالص اسلامی افکار کے حامل تھے۔

سوال: قرارداد پاکستان کب پیش کی گئی؟

جواب: 23 مارچ 1940ء کو اقبال پارک لاہور میں جس میں دو قومی نظریہ پر اتفاق رائے کیا گیا۔

سوال: قرارداد پاکستان کے موقع پر قائد اعظم نے صدارتی خطاب میں کیا کہا؟

جواب: ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف فلسفوں، سماجی رسوم اور ادبی روایات سے ہے۔ ان کا تعلق دو مختلف تہذیبوں سے ہے جو بنیادی طور پر متصادم نظریات و تصورات پر مبنی ہیں۔

سوال: پاکستان کے ہمسایہ ممالک میں کون سا ملک بین الاقوامی اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسے نقصان پہنچانے کی کوششیں کر رہا ہے۔

جواب: ہندوستان

سوال: پاکستان اور بھارت کے مابین آبی معاہدہ کب ہوا، کتنے دفعات پر مشتمل تھا؟

جواب: 19 ستمبر 1960ء کو سندھ طاس معاہدہ ہوا، جو کہ 11 دفعات پر مشتمل تھا۔

سوال: اس معاہدہ کی خلاف ورزی کون سا ملک کر رہا ہے۔

جواب: بھارت

سوال: پاکستان کو چلانے والے ادارے کون سے ہیں؟

جواب: پارلیمنٹ، سینٹ، مقننہ، عدلیہ اور قانون نافذ کرنے والے ادارے۔

سوال: پاکستان کو بچانے والے ادارے کون سے ہیں؟

جواب: افواج پاکستان اور حساس خفیہ ادارے۔ جیسے ISIوغیرہ

سوال: کس عالم دین نے مسلم لیگ کو قومی و سیاسی استقلال کے لیے سفینہ نجات قرار دیا؟

جواب: علامہ شبیر احمد عثمانی

سوال: قیام پاکستان کے وقت سرحد اور سلہٹ (بنگال) ریفرنڈم میں کون سے دو علماء نے پاکستان میں شمولیت کے لیے پر وہاں کے لوگوں میں سیاسی شعور پیدا کیا؟

جواب: سرحد میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور سلہٹ میں علامہ ظفر احمد عثمانی۔

سوال: پاکستان کب معرض وجود میں آیا؟

جواب: 27رمضان المبارک14 اگست 1947ء

سوال: پاکستان میں اسلامی آئین سازی کے لیے کون سی جماعت بنائی گئی؟

جواب: مجلس العلماء

سوال: دستوریہ پاکستان کے پہلے صدر کا نام کیا ہے؟

جواب: قائد اعظم محمد علی جناح

سوال: قرارداد مقاصد کب اور کس نے پیش کی؟

جواب: 7مارچ1949ء کووزیر اعظم لیاقت علی خان نے پیش کی۔

سوال: قرارداد مقاصد کب منظور کی گئی؟

جواب: 12مارچ1949ء کو مجلس دستور ساز پاکستان نے وزیر اعظم پاکستان کی پیش کردہ تجویز قرارداد مقاصد منظور کی۔

سوال: تعلیمات اسلامی بورڈ کس کی تجویز پر عمل میں لایا گیا؟

جواب: علامہ شبیر احمد عثمانی

سوال: اسلامی آئینی بل کے بارے میجر اسکندر مرزا کے اشکالات کس عالم دین نے

ختم کیے؟

جواب: قاری محمد طیب قاسمی

سوال: اسلامی آئینی بل پر میجر اسکندر مرزا نے کس تاریخ کو دستخط کیے؟

جواب: 2مارچ1956ء

سوال: اس موقع پر سب سے پہلے قوم کو کس عالم دین نے خوشخبری سنائی؟

جواب: ریڈیو پاکستان پر مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع دیوبندی نے

سوال: ریاستی استحکام میں امن کی حیثیت کس درجہ کی ہے؟

جواب: بنیادی

سوال: یوم دفاع پاکستان کس دن کو قرار دیا جاتا ہے؟

جواب: 6 ستمبر 1965ء

سوال: یوم تکبیر کس دن کو قرار دیا جاتا ہے؟

جواب: 28 مئی 1998ء کو جب پاکستان ایٹمی طاقت بنا۔

سوال: 7 ستمبر 1974ء کو پاکستان کی پارلیمنٹ اور سینٹ نے کون سا تاریخی کارنامہ سرانجام دیا؟

جواب: قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا۔

سوال: آزاد کشمیر اسمبلی میں قادیانیوں کو کب کافر قرار دیا گیا؟

جواب: 6 فروری 2018ء کو آزاد کشمیر اسمبلی اور کونسل نے مشترکہ طور پر قادیانیوں کو کافر قرار دیا۔

سوال: یوم آزادی کے موقع پر کیا کرنا چاہیے؟

جواب: اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اپنے مکانات، دفاتر اور اداروں پر سبز ہلالی پرچم لہرا کر پاکستان کے سالمیت واستحکام کے لیے دعا گو رہنا چاہیے۔

متکلم اسلام ایک نظر میں

نام: محمد الیاس گھمن

پیدائش: 1969-04-12، 87 جنوبی سرگودھا، پاکستان

تعلیم: حفظ القرآن الکریم: جامع مسجد بوہڑ والی، گکھڑ منڈی، گوجرانوالہ

ترجمہ و تفسیر قرآن: امام اہل السنۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ۔ مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

درس نظامی:

آغاز: جامعہ بنوریہ، کراچی

اختتام: دورہ حدیث (مساوی ایم-اے) جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد

تدریس: معہد الشیخ زکریا، چپاٹا، زمبیا، افریقہ

مرکز اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا

مناصب:

سرپرست: مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا

امیر: عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ

چیف ایگزیکٹو: احناف میڈیا سروسز

سرپرست: خانقاہ حنفیہ

تبلیغی اسفار:

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، ساؤتھ افریقہ، نیپال، کینیا، زمبیا، یمن، افغانستان، برما، بحرین، ہانگ کانگ، ملائشیا، سنگاپور، ملاوی، سری لنکا، موزمبیق، سوازی لینڈ، ترکی، تھائی لینڈ

تصانیف:

دروس القرآن، دروس الحدیث، صرط مستقیم کورس (مرد وخواتین) اعتکاف کورس، رمضان المبارک فضائل و مسائل، القواعد فی العقائد، زبدۃ الشمائل شرح شمائل ترمذی، قربانی کے فضائل و مسائل، عقائد اہل السنۃ والجماعۃ، نماز اہل السنۃ والجماعۃ، مسلمان عورت، مضامین متکلم اسلام، مواعظ متکلم اسلام، مجالس متکلم اسلام، خطبات متکلم اسلام، جہانِ قلم، میرا پاکستان

بیعت وخلافت: عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمہ اللہ

امین العلماء حضرت اقدس مولانا سید محمد امین شاہ رحمہ اللہ

حضرت اقدس فضیلۃ الشیخ مولانا عبد الحفیظ مکی رحمہ اللہ

پیر طریقت مولانا عزیز الرحمن ہزاروی دامت برکاتہم

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد　　　　کشورِ حسین شاد باد

تو نشانِ عزمِ عالی شان　　　　ارضِ پاکستان !

مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام　　　　قوتِ اخوتِ عوام

قوم، ملک، سلطنت　　　　پائندہ تابندہ باد !

شاد باد منزلِ مراد

پرچمِ ستارہ و ہلال　　　　رہبرِ ترقی و کمال

ترجمانِ ماضی شانِ حال　　　　جانِ استقبال !

سایۂ خدائے ذوالجلال